

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ
لکھنؤ

شمارہ نمبر ۲

جلد نمبر ۶۳

فروری ۲۰۱۹ء
February 2019

سالانہ زرقاوان

برائے ہندوستان : ۳۰۰ روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۰ امریکی ڈالر

نی شمارہ : ۳۰ روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پریمی چیک چٹ پرگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منجبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

عائشہ حسنی

میمونہ حسنی

محمود حسن حسنی

جعفر مسعود حسنی

ذرائع رIZWAN MONTHLY لکھنؤ

ذرائع اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پین کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر: پرنسز، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا



فہرست مضامین



- اپنی بہنوں سے مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں امۃ اللہ تسنیم 6
- پیغمبر اسلام کا اسلوب دعوت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- قرآن اور حضور ہدایت کی تکمیل ڈاکٹر عاصم ریشماں 12
- ملی قیادت کے مطلوبہ اوصاف اور قائدین مولانا محمد مجیب الدین قاسمی (ایم اے) 14
- حصول علم اور خواتین اسلام مولانا محمد حبیب الرحمن حسامی 17
- ہمارے معاشرے کی چند برائیاں اور مولانا محمد نجیب قاسمی (ریاض) 19
- شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات عائشہ محمد عابد ندوی - جدہ 24
- بوڑھے بچے عافیہ مقبول جہانگیر 28
- مسلم لڑکیوں میں ارتداد کا فتنہ ام ہشام نوریدہ (ممبئی) 33
- ریاست مدینہ کی خصوصیات سید اسعد گیلانی 35
- سوال و جواب مفتی راشد حسین ندوی 38
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ڈاکٹر محمد لائق اللہ خان - جدہ 39
- آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی 42



اپنی بہنوں سے

مدیر

آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں جس میں اخلاقیات ختم ہوتی نظر آ رہی ہیں ہمدردی و سخواری کا فقدان ہے، دوسرے کے احساسات کا خیال رکھنا، اس کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آنا، یہ ایک خواب و خیال بن گیا ہے۔

آج کا فلسفہ ہے کہ اپنا بھی لو اور دوسرے کا بھی لو۔ اس مادہ پرستی کے دور کو نیکی کے دور میں انسانی ہمدردی و سخواری کے دور میں الفت و محبت کے دور میں آپ ہی بدل سکتی ہیں کیونکہ آپ گھر کی نگہبان ہوتی ہیں۔ شوہر کی غیر موجودگی میں آپ ہی گھر کی مالکہ ہوتی ہیں پورا گھر آپ کے زیر اثر ہوتا ہے آپ ہی کا حکم صرف گھر

ایک ماں ہونے کے ناطے اپنے بچے

زیادہ آپ پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ بچے ضرورت ہوتی ہے، وہ وقت ماں کے

وقت بچے کی صحیح تربیت کی۔ اس کو جگہ ہونے کا احساس جگا دیا

بٹھادی۔ اس کے لئے ضروری بچہ کمسنی میں جو سیکھے گا آپ سے

دینی قصے سنا کر ان کے اندر جہاد امہ سلف کے واقعات سنا کر ان

واقعات ایسے ہیں کہ عورتوں نے کی پختہ عادات کو چھوڑا یا پختہ عقل

بہت مشکل کام ہے جب عورتوں نے رہنمائی کرنا اور آسان کام ہے، اگر آپ

ایمانی، اخلاقی تربیت کر دی۔ تو پھر آپ ہے کیونکہ صالح افراد ہی سے صالح معاشرہ وجود میں

ہوتی ہے، افراد ہی جماعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی زندگی باہم مربوط ہوتی ہے، اگر ماں اپنے بچے کی صحیح تربیت کرتی ہے

تو صالح معاشرہ کو وجود میں لانے میں بڑا ہاتھ اسی کا ہوگا، اور دنیا کی نظر میں وہ ایک بہترین ماں ہوگی۔ آج ایسی ماں کی ضرورت ہے جو اپنے بچے کی دینی، ایمانی، اخلاقی تربیت ایسی کرے کہ وہ بچہ انسانی دھارے کو جو غلط رخ پر بہ رہا ہے صحیح رخ پر ڈلوائے، اور دنیا کو مادہ پرستی کے خول سے باہر نکال لے اور ہمدردی و سخواری انسانی محبت کی چنگاری کو ہوا دے، اور انسانی اقتدار کا حامل بنائے تاکہ ایک صالح معاشرہ

وجود میں آئے، یہ چیز ناممکن نہیں ہے لیکن اس کے لئے ہماری ماؤں اور بہنوں کو آگے آنا ہوگا ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔

نوٹ:

۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء ہندوستان کی

معروف دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک مؤقر

استاذ اور ندوۃ العلماء کے معتد تعلیم اور حضرت مولانا سید محمد رابع

حسینی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد واضح رشید

حسینی ندوی نے داعی اجل کو لبیک کہا، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کو آج بعد نماز مغرب ان کے آبائی وطن نیکہ کلاں رائے

بریلی میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مولانا ایک بے لوث داعی، خاموش مجاہد، عظیم مفکر و دانشور، ماہر

تعلیم اور بے باک صحافی تھے، آپ کی عالم عرب پر گہری نظر تھی۔

ندوۃ العلماء کیلئے یہ ایک بڑا علمی خسارہ ہے، جس کا بدل

ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ

علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

تفصیلی مضمون ان شاء اللہ آئندہ

شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

کی صحیح تربیت کرنے کی ذمہ داری باپ سے

کا وہ وقت جب اس کو صحیح تربیت کی پائس گزرتا ہے اگر آپ نے اس

صحیح ذوق دے دیا اللہ تعالیٰ کے ہر جھوٹ کی نفرت اس کے اندر

ہے کہ آپ بھی سچ بولیں۔ کیونکہ سیکھے گا، اور بچوں کو صحابہ کے

کا شوق پیدا کرائیے صحابہ کرام کے اخلاق نکھاریے بہت سے

بچوں تو بچوں اپنے شوہروں تک کے مالک کی پختہ عادت چھوڑنا

یہ کام کر لیا، تو بچوں کی کمسنی میں نے یہ آسان کام کر لیا اور بچوں کی دینی،

دیکھیں گی کہ صالح معاشرہ کیسے وجود میں آتا آتا ہے، فرد کی زندگی سے جماعت کی زندگی وابستہ

ہوتی ہے، افراد ہی جماعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی زندگی باہم مربوط ہوتی ہے، اگر ماں اپنے بچے کی صحیح تربیت کرتی ہے

تو صالح معاشرہ کو وجود میں لانے میں بڑا ہاتھ اسی کا ہوگا، اور دنیا کی نظر میں وہ ایک بہترین ماں ہوگی۔ آج ایسی ماں کی ضرورت ہے جو اپنے بچے کی دینی، ایمانی، اخلاقی تربیت ایسی کرے کہ وہ بچہ انسانی دھارے کو جو غلط رخ پر بہ رہا ہے صحیح رخ پر ڈلوائے، اور دنیا کو مادہ پرستی کے خول سے باہر نکال لے اور ہمدردی و سخواری انسانی محبت کی چنگاری کو ہوا دے، اور انسانی اقتدار کا حامل بنائے تاکہ ایک صالح معاشرہ

وجود میں آئے، یہ چیز ناممکن نہیں ہے لیکن اس کے لئے ہماری ماؤں اور بہنوں کو آگے آنا ہوگا ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔



امتہ اللہ تسنیم

مجھے قتل کر دے۔ فرمایا تم شہید ہو گے۔ اس نے کہا اگر میں اس کو قتل کر دوں فرمایا وہ دوزخ میں ہوگا۔ (مسلم)

آزاد کوفہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ آزاد شدہ کے ہر عضو کے بدلہ آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کرے گا حتیٰ کہ اس کی شرمگاہ کو شرمگاہ کے بدلے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے اعمال افضل ہیں فرمایا اللہ پر ایمان، اس کے راستہ میں جہاد، میں نے عرض کیا کونسی گردن کا آزاد کرنا افضل ہے فرمایا جو اپنے مالک کے نزدیک بیش قیمت ہو۔ (بخاری۔ مسلم)

غلام کے ساتھ مسلمات

حضرت مترو بن سوید سے روایت ہے کہ میں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جس طرح کا لباس آپ پہننے ہیں ویسا ہی ان کا غلام پہننے ہے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص کو گالیاں دیں یعنی ماں کی گالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر تم نے اس کی ماں کو عیب لگایا۔ تم میں ابھی جاہلیت

شہادت کی مختلف شکلیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوالاعور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے (یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اپنے مال کی وجہ سے مارا جائے، وہ شہید ہے اور جو اپنا خون یعنی اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کی وجہ سے مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بتائیے کہ اگر کوئی میرا مال لیتا چاہے تو میں کیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ دو۔ عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے، فرمایا تم بھی لڑو، عرض کیا اگر وہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ آدمیوں کو شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔ طاعون سے مرنے والا، ہیضہ سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دب کر مرنے والا، اور جو اللہ کے راستہ میں مارا جائے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ شہید کس کو کہتے ہو۔ انہوں نے کہا جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ فرمایا اس صورت میں تو میری امت میں شہید بہت تھوڑے ہوں گے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون کون شہید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ شہید ہے، جو طاعون میں مر جائے وہ شہید ہے، جو ہیضہ میں مرے وہ شہید ہے، جو ڈوب کر مرے وہ شہید ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

کی بوباقی ہے۔ یہ تمہارے بھائی ہیں تمہارے خدمتگار، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے تحت کر دیا ہے۔ جب تمہارے بھائی تمہارے دست نگر ہو جائیں تو تم کو چاہئے کہ جو تم کھاؤ وہی کھلاؤ اور جو پہنو وہی پہناؤ۔ ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر تم ان پر ایسا بوجھ رکھو تو پھر ان کی مدد بھی کرو۔ (بخاری۔ مسلم)

بلورچی کی خاطر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا خادم کھانا لے کر آئے تو تم اس کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لو، اور اگر اپنے ساتھ نہ بٹھاؤ تو پھر ایک لقمے یادو لقمے دے دو، اس لئے کہ اس نے پکانے کا مکان اور آگ کی گرمی سہی ہے۔ (بخاری)

ذہواجر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو اس کو دو نااجر ملے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر خواہی کرنے والے غلام کو ڈھرا اجر ملے گا۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے، اگر جہاد اور حج نہ ہوتا اور ماں کے ساتھ حسن سلوک، تو میں چاہتا

کہ غلامی کی موت مروں۔ (بخاری، مسلم) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام اپنے پروردگار کی عبادت بھی خوب اچھی طرح کرے اور اپنے مالک کا حق، خیر خواہی فرمانبرداری جو اس پر لازم ہے ادا کرے تو اس کو ڈھرا اجر ملے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ہیں جن کو ڈھرا اجر ملے گا۔ ایک وہ شخص جو اہل کتاب ہے، یعنی یہودی یا نصرانی وہ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی۔ دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور مالکوں کا حق بھی ادا کیا، تیسرا وہ مرد جس کے پاس ایک لونٹری ہے اس نے اس کو خوب ادب سکھایا اور بہترین طریقہ سے تعلیم و تربیت کی، پھر اس کو آزاد کیا اور پھر اسی سے شادی کر لی۔ (بخاری۔ مسلم)

سب سے بہتر وہ ہے جو فروض اچھی طرح ادا کرے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قرض دار آیا اور اپنے قرض کا سخت مطالبہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے مارنے کا ارادہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو قرض دینے والے کو سب

کچھ کہنے کا حق ہے، اب بہتر یہ ہے کہ جس طرح کا جانور اس سے لیا ہے اسی طرح کا دو۔ وہ بولے ویسا تو نہیں ہے اس سے بہتر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی دے دو۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت کے وقت اور مطالبہ کرنے میں نرمی سے کام لے۔ (بخاری)

قیامت کی تکلیفوں سے نجات حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے تو اس کو چاہئے کہ محتاج قرض دار کو مہلت دے۔ قرض مانگنے میں جلد نہ کرے اور یا تو سارا قرض چھوڑ دے یا تھوڑا بہت معاف کر دے۔ (مسلم)

مقروض سے دعایت کرنے والا عرش الہی کے سایہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نادار کو مہلت دی یا قرض میں کمی کر دی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ترمذی) ○○

پیغمبر اسلام کا اسلوب دعوت

کہ جیسے کوئی مخلص اور ہمدرد قائد فوج کو دشمن سے ڈرا رہا ہو، روئے انور سرخ ہو جاتا اور سامعین کے دلوں کی دنیا بدل جاتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب میں ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ اس طرح ہوتا تھا کہ گویا ہیرے اور جواہرات جن دیئے گئے ہیں، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کو عربی زبان و ادب کا بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے لئے زبان کے ساتھ ساتھ قلم کا وسیلہ بھی اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اس وقت جہاں تک خطوط پہنچائے جاسکتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خطوط روانہ فرمائے، بعض اہل تحقیق کی رائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چار سو دعوتی خطوط لکھے ہیں، روم و ایران سے لے کر چین تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خطوط پہنچے، یہ خطوط نہ صرف داعیانہ حکمت کا نمونہ ہیں، بلکہ زبان و ادب کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہیں، حدیث کی متداول کتابوں میں بھی ان میں سے کئی مکتوبات نقل کئے گئے ہیں، اب تو بعض مکتوبات کی اصل بھی دریافت ہو گئی ہیں اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ حدیث میں ان خطوط کا مضمون جس طرح نقل کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح اس دستیاب ہونے والے اصل خط کی عبارت ہے، یہاں تک کہ ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ پر مشتمل مہر مبارک کی جو ترتیب کتب حدیث میں مذکور ہے، وہی ترتیب اس دستیاب ہونے والے خط میں بھی ہے۔

میں داخل ہے، دعوت کا مقصد لوگوں کی ہدایت ہے، لیکن دعوت کا طریقہ کار متعین نہیں، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے دعوت کے بنیادی اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے ہیں۔ سب سے زیادہ جس ذریعہ کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ملتا ہے، وہ ہے زبان، جب کوئی بات بالمشافہ کہی جاتی ہے تو اس میں صرف الفاظ ہی نہیں ہوتے، بلکہ بولنے والے کی آواز، آواز میں شامل اس کے جذبات، اس کے چہرے کے نقوش اور اس کے اعضاء کے حرکات و اشارے، یہ ساری چیزیں اس میں شامل ہوتی ہیں، اسی لئے فوری طور پر مخاطب اس کا خصوصی اثر لیتا ہے، آواز کا زریعہ اور صوتی آہنگ بھی دلوں کے تار کو چھیڑنے میں معاون بن جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابات میں یہ بات پوری قوت کے ساتھ پائی جاتی تھی، اور مخاطب پر اس کا پورا اثر ہوتا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعوت دین پیش فرماتے تھے

شریعت کے بعض احکام وہ ہیں جن کا مقصد بھی متعین ہے اور طریقہ کار بھی، جیسے نماز، نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ کرنا اور برائی اور بے حیائی کی باتوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے، نماز کا طریقہ بھی متعین ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز ادا فرمائی ہے اور یہ ہدایت بھی کی ہے کہ جیسے میں نماز ادا کرتا ہوں، ویسے ہی تم بھی ادا کرو۔ ”صلوا کما رأیتمونی اصلی“ (صحیح البخاری، کتاب الأذن، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة لحديث نمبر: ۶۳۱، و کتاب الأدب، باب رحمة الناس و البہائم، حدیث نمبر: ۶۰۰۸، و کتاب اخبار الأحاد، حدیث نمبر: ۷۲۳۶)

اور بعض احکام وہ ہیں، جن کے مقاصد تو متعین ہیں، طریقہ کار متعین نہیں ہے، جیسے: جہاد، جہاد کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور ظالم کے ظلم کو روکنا ہے، لیکن جہاد کا طریقہ کیا ہو؟ اس کے لئے کون سے ہتھیار استعمال کئے جائیں، یہ متعین نہیں ہے، ”دعوت دین“ اسی دوسری قسم کے احکام

ان دعوتی خطوط کے مضمون کے سلسلہ میں ایک بڑی ہی قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو جو خط لکھا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”عظیم الروم“ کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی ”روم کی عظیم شخصیت“..... ظاہر ہے کہ یہ انتہائی توقیر و احترام کا کلمہ ہے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک فرد مشرک کے لئے اتنا بڑا توقیر کلمہ کیوں استعمال کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لوگ ان کو اسی طرح خطاب کرتے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان خطوط میں مدعو کی عزت نفس کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، اور تعلیم دی ہے کہ اگر دوسرے مذہب اور قوم کے رہنما سے خطاب کیا جائے تو ان کے حلقہ میں ان کا جس طرح نام لیا جاتا ہے، اسی طرح نام لینا چاہئے، سوائے اس کے کہ کوئی مشرک نہ کلمہ ہو، کیونکہ کلمات مشرک بہر حال گوارا نہیں کئے جاسکتے، افسوس کہ مسلمانوں کی اخلاقی سطح اتنی گر گئی کہ وہ مسلک و مشرب کے اختلاف کی وجہ سے بھی مخالف و بدستان فکر، گردہ یا تنظیم کے ساتھ تباہ بالالقباب کرنے لگتے ہیں، اور اس کو اپنی دین داری کا تقاضا سمجھتے ہیں، چہ جائے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کاش! ہم سمجھ سکیں کہ ہمارا یہ عمل دین داری نہیں ہے، بلکہ سنت نبوی کی خلاف ورزی ہے۔

و سلم نے ان دوسرے طریقوں کو بھی اختیار کیا، جو اس زمانہ میں مروج تھے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراط مستقیم اور گمراہی کے راستوں کو واضح کرنے کے لئے ہاتھوں سے لکیر کھینچ کر نقشہ بنایا اور اس کی مدد سے سمجھایا۔ (سنن داری، باب فی کرہیۃ اخذ الرأی، حدیث نمبر: ۲۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت کے لئے زبان و قلم کے علاوہ دوسرے وسائل بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں، موجودہ دور میں انٹرنیٹ، فیس بک، آڈیو کیسٹ، سی ڈی اور ڈی وی ڈی ان وسائل میں داخل ہیں، جن کو خیر کی طرف دعوت دینے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے انہیں کھانے پر مدعو کیا اور کھانے کے بعد ان کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ (الحکم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۹۷۱)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم بھائیوں یا مسلمانوں کو کھانے کی پارٹی دے کر ان سے دین کے بارے میں گفتگو کی جاسکتی ہے، کیونکہ ایسے موقع پر آنے والوں کا ذہن یکسو ہوتا ہے اور وہ ہر بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔

عرب میں مختلف میلے لگا کرتے تھے، ان میلوں میں شراب و کباب کی مجلسیں بھی جتنی تھیں، لوگ اپنے اپنے قبائل کی تعریف کے پل باندھتے تھے، ایسے اشعار بھی پڑھے

جاتے تھے، جو بے حیائی پر مبنی ہوتے تھے، انہیں میلوں میں ایک ”ذوالحجاز“ کا میلہ بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے میلوں میں بھی تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں پر دعوت حق پیش فرماتے، چنانچہ بنی مالک بن کنانہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ذوالحجاز کے لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ فرماتے جاتے تھے، لوگو لا الہ الا اللہ کہو، اس میں تمہاری کامیابی ہے: ”قولوا لا الہ الا اللہ تغلحون“ اور ابو جہل آپ پر گرد و غبار پھینکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ یہ شخص تم لوگوں کو تمہارے دین سے دور نہ کر دے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۶۵۳)

اسی طرح طارق بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں ذوالحجاز کے میلے میں تھا کہ ایک نوجوان شخص کا گذر ہوا، جس پر سرخ لکیروں والے کپڑے کا حلہ تھا، وہ کہتا جاتا تھا، اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، اور کامیابی پاؤ، پیچھے پیچھے ایک شخص ان پر پتھر وغیرہ پھینکتا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کے ٹخنے اور پنڈلیاں لہولہاں تھے، پتھر پھینکنے والا شخص کہتا جاتا تھا، یہ شخص جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانو، جب میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا، یہ بنی ہاشم کا ایک نوجوان ہے جس کا خیال ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ اس کا چچا ابولہب ہے۔ (الحکم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۸۱۷۵)

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں حج کے

اجتماعات میں بھی بہت سی نامناسب باتیں مشرکین عرب نے شامل کر دی تھیں، یہاں تک کہ مکہ سے باہر کے حجاج..... جن کو باشندگان حرم کی طرف سے کپڑے نہیں مل پاتے تھے۔ بے لباس طواف کیا کرتے تھے، دن میں مرد اور رات میں عورتیں، ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے اس اجتماع کو دعوت کے لئے خاص طور سے استعمال فرماتے تھے، اور موسم حج ہی کی دعوت اہل مدینہ کے دامن ایمان میں آنے کا سبب بنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن وسائل کا استعمال منکرات کے لئے کیا جاتا ہے، اگر فی نفسہ ان کا استعمال جائز ہو تو دعویٰ مقاصد کے لئے ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ دعوت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ”تدریج“ کا خیال رکھتے تھے، جب آپ غیر مسلموں کو ایمان کی طرف بلائے تو پہلے انہیں صرف ایمان کی دعوت دیتے، تاکہ وہ آسانی سے اسے قبول کر لیں اور اپنے رفتاء کو بھی اس کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انہیں خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ تم ایک ایسے گروہ کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، اس لئے انہیں اس بات کی طرف بلانا کہ وہ اللہ کے ایک ہونے اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیں، جب وہ اسے قبول کر لیں تو پھر ان

سے کہنا کہ اللہ نے پانچ وقت کی نمازیں بھی فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو مان لیں اور نماز پڑھنے لگیں تو پھر بتانا کہ ان کے مال میں زکوٰۃ بھی فرض کی گئی ہے، زکوٰۃ عام طور پر وصول کر کے مدینہ بھیجی جاتی تھی اور پھر یہاں سے اس کی تقسیم عمل میں آتی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت سے کام لیتے ہوئے انہیں تلقین کی کہ ان کے مال داروں سے مال وصول کر کے انہیں ہی کے فقراء پر اسے خرچ کر دینا اور ان کے مال کا بہتر حصہ زکوٰۃ میں وصول کرنے سے بچنا۔ (مسلم، باب الدعاء الی الشہادتین۔ الخ، حدیث نمبر: ۱۹)۔

اس میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تلقین فرمائی کہ وہ رفتہ رفتہ احکام شریعت کی طرف بلائیں، تاکہ اسلام انہیں بوجہ محسوس نہ ہونے لگے، پھر زکوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہیں تقسیم کر دیا جائے، اس کی حکمت یہ تھی کہ لوگوں میں غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ اسلام کی طرف دعوت کا مقصد محض پیسے وصول کرنا ہے۔ غیر مسلموں ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات مسلمانوں کو بھی دین کی طرف بلانے میں تدریج کی ضرورت پڑتی ہے اور جن کے دلوں میں دین کی عظمت جاگزیں نہیں ہوئی ہے، ان کو یکبارگی شریعت کے تمام احکام کا مکلف بنانا نفرت اور گریز کا سبب بن جاتا ہے۔

دعوت دین میں تدریج کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ پہلے غیر مسلم بھائیوں کو ان باتوں کی طرف بلایا جائے جو اسلام اور ان کے مذہب کے درمیان مشترک ہوں، چنانچہ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات کہلوائی گئی کہ ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اللہ کے بجائے ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔“ (آل عمران: ۶۴)

موجودہ حالات میں دعوت دین کے لئے اس کی بڑی اہمیت ہے، اللہ کی کتابیں مختلف امتوں پر منزل ہوتی رہی ہیں اور قرآن مجید اس کتاب ہدایت کی آخری اور مکمل صورت ہے، پہلی کتابوں میں ان کتابوں کی حامل امتوں نے بہت ساری آمیزشیں کر دی ہیں، لیکن اس کی باوجود بہت سی سچائیاں آج بھی ان میں موجود ہیں، عقیدہ توحید و نبوت محمدی، جنت و دوزخ، حج بولنے، وعدہ وفا کرنے، شرم و حیا کی حدود پر قائم رہنے اور انسانیت کی خدمت و مددگار کی ترغیبات، نیز زنا، بے حیائی، قتل و غارت گری وغیرہ کی ممانعتیں نہ صرف بائبل میں موجود ہیں، بلکہ ہندو بھائیوں کی مذہبی کتابوں، ویدوں اور ہنوں وغیرہ میں بھی حیرت انگیز حد تک اسلامی تعلیمات کی مماثل

باتیں پائی جاتی ہیں، ان قوموں سے خطاب کرتے ہوئے ایسے مضامین کو پیش کرنا نہ صرف درست ہے، بلکہ یہ قرآن کی اس ہدایت کی تعمیل ہے کہ غیر مسلموں کو پہلے مشترک تعلیمات کی طرف دعوت دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر یہودیوں سے گفتگو کرتے ہوئے تورات کے حوالہ سے استدلال کیا ہے، چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کے بڑے حصہ میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہمیں بتاتے رہے اور صرف نماز کے لئے اٹھے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۰۰۳)

اس لئے ان کی مذہبی کتابوں میں جو باتیں قرآن و حدیث سے مختلف نہ ہوں، اگر دعوتی اغراض کے تحت ان کو پیش کیا جائے اور ان سے استدلال کرتے ہوئے انہیں دین محمدی کی طرف بلایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

غرض کہ دعوت اسلام کے لئے کوئی خاص طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں فرمایا، کیونکہ دعوت میں اصل اہمیت مقصد کی ہے، لوگوں کے حالات، ان کی نفسیات، ملکی قانون، اور دستیاب وسائل کے اعتبار سے کسی ایک طریقہ کا متعین کر دینا ممکن نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وہ بنیادی اصول ملتے ہیں، جن کو ہم دعوت کے کام کے لئے مشعل راہ بنا سکیں۔

□□□

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۳۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری - 300/ روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم ”ادارہ رضوان“ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ”رضوان“ خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ”رضوان“ کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

قرآن اور حضور ہدایت کی تکمیل

کی روشنی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہو سکیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہ لاتے تو خدا کی مرضی سے کبھی واقف نہ ہو سکتی وہ ہمیشہ گمراہی و کجروی کا شکار رہتی، اس کو حقیقت کا کبھی عرفان حاصل نہ ہو سکتا، نتیجہ یہ کہ اس کا کوئی عمل بھی صحیح نتائج پیدا نہ کر سکتا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو دنیا بھر کی عقلیں، سوچیں، فلسفے، حکمتیں اور دانشیں، جہالت و جاہلیت کے زندانوں میں اسیر رہتیں، انسانیت پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار کرم ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت سے اللہ کی منشا اور قرآن کے مدعا کو اس طرح واضح کر دیا کہ اب ہدایت و ضلالت، خیر و شر، نیکی و بدی اور فلاح و خسران کی سب راہیں صاف طور پر ہمارے سامنے آ گئی ہیں۔ اب ہدایت بھی یقینی ہے فلاح بھی اور نجات بھی اور اسوۂ سنہ سے انحراف کے نتیجے میں تباہی و بربادی بھی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ حسن انسانیت کی آمد سے بیشتر دنیا میں یا تو ایسی دنیا پرستی ملتی تھی جس میں اخلاقی اور روحانی اصولوں کی بالادستی کا کوئی تصور نہ تھا یا پھر ایسی روحانیت ملتی تھی جو مادی علاقہ اور دنیاوی روابط سے مبرا رہنے کے تصور پر مبنی تھی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دینا

کتاب ہدایت دے دی جاتی اور اس کی تشریح کے لئے مستند اور مصدقہ ذریعے کی نشاندہی نہ کی جاتی تو انسانی فطرت اپنی کمزوریوں کی بناء پر اس سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکتی، قرآن نہ محض لغت سے سمجھا جاسکتا ہے نہ ماضی کے تاریخی واقعات کے صحیفوں کی روشنی میں اس کے مفہوم تک رسائی ممکن ہے اور نہ مجرد عقل و فکر سے کام لے کر نشانے الہی کا علم ہو سکتا ہے، یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ثمر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے کہ جس کی بدولت اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے اپنے قول و فعل سے قرآن کو انسانیت کے لئے سہل بنایا، اس نے اپنے کلام کے ساتھ اپنے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تاکہ انسانوں کے لئے قرآن پر عمل کرنا آسان ہو اور وہ وہم و گمان کی تاریک راہوں میں بھٹکنے کے بجائے یقین و ایمان

قرآن کریم اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اسی لئے اس کو آخری پیغمبر پر نازل کیا گیا، اب اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوگی، قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی اسی کتاب سے ممکن ہے، اس لئے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود خدا نے لیا ہے، اس نے اس میں کمی بیشی اور رد و بدل کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے، یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، قرآن کو اس وقت تک سمجھنا ممکن نہیں جب تک اس کو لانے والے کی سیرت سے آگاہی حاصل نہ کی جائے۔ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مل کر اس ہدایت کی تکمیل کرتے ہیں جس سے انسانیت ابدی فلاح و کامرانی کی جنت سے ہمکنار ہو سکتی ہے، اسی اعتبار سے حضور کی بعثت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے حضور کی بعثت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ربوبیت کا دلکش ترین اظہار ہے۔ اگر انسان کو صرف

شروع کی تو باطل کے علمبرداروں نے ہر ممکن طریقے سے اس دعوت کو پھیلنے سے روکنا چاہا، جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا، کفار مکہ نے ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی، اللہ تعالیٰ نے ستم رسیدہ مسلمانوں کو کفار کے تسلط سے نجات پانے کا راستہ سمجھا دیا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اب کفار کو ناکامی کا احساس ہوا تو تملکا اٹھے، انہوں نے مسلمان مہاجرین کو واپس مکہ لانے اور از سر نو تختہ مشق بنانے کے لئے شاہ حبشہ کی طرف سفیر بھیجا، جنہوں نے مسلمانوں کو بھگوڑے مجرم قرار دے کر ان کی واپسی کی درخواست کی۔ بادشاہ نے معاملے کی تحقیق کے لئے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے صفائی طلب کی، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنا معاملہ اس طرح پیش کیا "اے بادشاہ! ہم لوگ دور جہالت میں سانس لے رہے تھے، ہمارے باپ دادا بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کی خوراک مردہ جانوروں کا گوشت تھا وہ لوگ ریا کاری، تمنا بازی اور ہر قسم کی بدکاری و بد عملی میں مبتلا تھے، صلہ رحمی، ہمدردی اور احترام آدمیت سے بے بہرہ تھے، ان میں سے ہر شخص کمزور کا حق مارنے اور اسے

نشانی ظلم و ستم بنانے کا حامی تھا، لوٹ مار تل و عارت گری ان کا شیوہ تھا۔ وہ لوگ صدیوں سے اس طرز کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ یکا یک رحمت خداوندی جوش میں آگئی، اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں اور سرکشوں ہی میں ایک ایسا شخص پیدا کیا جو نبوت و رسالت سے سرفراز ہوا، جسے اس کی قوم صادق اور امین کہہ کر پکارتی تھی، جس کی پاک دائمی شرافت اور خاندانی نجابت سے سب لوگ واقف تھے اس نے ہمیں خدائے واحد پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کی دعوت دی، ہم نے اس کی دعوت کو قبول کیا، اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی اور شرک کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کا عہد کیا، اس نے عدل و انصاف اور تمام انسانوں سے محبت کرنے کا سبق دیا، ہم نے اس کی اطاعت کی، اس نے کہا کسی انسان کو ناحق قتل نہ کرو کسی کا مال غصب نہ کرو کسی کو نہ ستاؤ کسی کی تذلیل نہ کرو، ہم نے اس کی ساری باتیں مان لیں اور برے کاموں سے باز آ گئے، جھوٹ، فریب، عیاری، مکاری اور دغا بازی کو ترک کر دیا، اس نے ہمیں پاک دامن عورتوں پر بہتان لگانے سے منع کیا، ہم نے اپنی زبان اس سے روک لی، اس نے کہا قیمیوں کا مال کھانا اور چوری کرنا حرام ہے ہم نے ایسے مال سے پرہیز کرنا واجب سمجھا، اس نے ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کا

حکم دیا، ہم نے سر تسلیم خم کر دیا، اللہ سے ڈرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا اختیار کر لیا، بس یہ ہے ہمارا قصور، مکہ کے ان لوگوں نے صرف اس قصور پر ہمارا جینا مشکل بنا دیا بلکہ اب جب کہ ان کی دست دراز یوں سے بچ کر ہم نے آپ کی پناہ لی ہے تو یہ لوگ ہمیں واپس مکہ لے جا کر اذیتوں اور عقوبتوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔

اس موثر تقریر کی روشنی میں بادشاہ کے لئے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ قرونوں سے جہالت کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے جزیرہ نما عرب میں ہدایت کی روشنی پھیل رہی ہے، قریش مکہ اس روشنی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ان کی مدد کرنے کا مطلب حق و صداقت کی عداوت کے مترادف ہے، اس نے قریش کے سفیروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس کا قائل ہونا پڑا کہ اس قسم کا انقلاب جس کی طرف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے توجہ دلائی ہے کوئی حکمران، کوئی سپہ سالار کوئی حکیم اور فلسفی، کوئی مفکر اور مصلح برپا نہیں کر سکتا، اس انقلاب کے سوتے صرف ایک پیغمبر کی کرنیں، صرف آفتاب رسالت کے سینہ اقدس ہی سے نکل کر کائنات کو منور کر سکتی ہیں۔

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیما پا ہو جائے گی

□□□

ملی قیادت کے مطلوبہ اوصاف اور قائدین

میں ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک و سلطنت عطا فرمادیں، وہ اپنے اقتدار میں دینی سرگرمیوں کو پروان چڑھائیں، اسی میں غیر آباد مساجد کی آباد کاری، شرايع اسلام کی پاسداری اور اوقاف کا تحفظ بھی داخل ہے، جس سے آج پہلو تہی، لا پرواہی و غفلت کسی سے مخفی نہیں، لہذا حکومت کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اوقاف کے تحفظ کے نظام کو مستحکم کر کے اس شعبہ میں باقاعدگی لائے اور اسلامی شعائر مثلاً داڑھی، ٹوپی سے متعلق ایسے احکام جاری نہ کرے جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں۔

۲- ایک مصلح قوم اور رہبر ملت کے لئے علم و بردباری اور تدبیر و فراست سے متصف ہونا بھی از بس ضروری ہے، قرآن کریم میں داعیان قوم کو تلقین کی گئی ہے۔

إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَنَا عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔ (فصلت: ۳۴)

ترجمہ: ”آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے: پھر یکا یک (آپ دیکھیں گے کہ) وہ مثل دوست کے ہو جاتا ہے، آج انتخابی سرگرمیوں میں باہمی تفوق و برتری کے لئے قائدین ایک دوسرے کی پکڑیاں اچھالنے، ان کی عزت نفس سے کھلاڑ کرنے افترا پردازی اور بہتان تراشی تک کو معیوب تصور نہیں کرتے تو ایک

۱- قائد کے لئے سب سے پہلے پابند شرع ہونا ضروری ہے، یعنی تمام احکام شرعیہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فکر ہر وقت دامن گیر رہے ارشاد باری ہے:

الَّذِينَ إِذَا لُفِتُوا فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (انج: ۴۱)

ترجمہ: ”یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔“ یہ آیت اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی مگر منشاء خداوندی یہ ہے کہ جس کو اقتدار و حکومت ملے تو دین کی مذکورہ اہم خدمات کو مقدم رکھے، ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت

قرآن و سنت کی نظر میں اصلاح امت، ملت کی رہنمائی اور دینی و ملی قیادت کا حقدار وہ شخص ہے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بخوبی انجام دے سکے اور ظاہر ہے کہ ان امور کی انجام دہی کے لئے تقویٰ، طہارت، پرہیزگاری، علم دین کی جانکاری، اخلاص و لیبیت اور ایثار و قربانی جیسے لوازم کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ جب تک انسان کو اچھے برے کی تمیز نہ ہو عمل کا جذبہ، بے نفسی اور رضائے الہی پیش نظر نہ ہو کوئی بھی اصلاحی کوشش نفع بخش اور بار آور نہیں ہو سکتی، اس لئے قائدین قوم میں ایسی صفات کا ہونا ضروری ہے جس سے ان کی قیادت حقیقی قیادت اور عوامی اعتماد و تائید کے قابل بن سکے، قرآن و حدیث میں قائدین ملت اور داعیان حق کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان کو مختصر اذکر کیا جاتا ہے تاکہ ان کے تناظر میں عوام اپنے قائد کا انتخاب کر سکیں:

دوسرے کا احترام اور باہمی حسن سلوک تو دور کی بات ہے، یہ تمام باتیں حسن اخلاق اور صفات محمودہ، علم و بردباری سے عاری ہونے کی دلیل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسد ہی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی فرمائی تھی، لیکن آج یہی چیز مفقود ہے، جس کی بناء پر تنزلی اخلاقی انحطاط و گمراہی آتی جا رہی ہے اور تعصب و فساد کی آگ بھڑکتی جا رہی ہے، اس لئے قوم کی قیادت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اخلاق کو سنوارنے کی فکر کریں، محل اور قوت برداشت پیدا کریں اسی وقت قوم کی صحیح قیادت ممکن ہے۔

۳- قائد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تعریف و توصیف اور طعن و تشنیع دونوں سے بے نیاز رہے، نہ کسی کی تعریف اسے جاہ و حق سے ہٹا سکے اور نہ ہی ملامت کا اندیشہ اسے حق کے اعلان اور اس پر عمل آوری سے باز رکھ سکے، قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے "وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" (المائدہ: ۵۴) یعنی وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقائق حق اور ابطال باطل کے راستہ میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ مگر حقیقی قائد وہی ہوتا ہے جو اس راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کرے اور تعریف و مدح ذم و جھوکی

پروا کیے بغیر اپنے مشن کو جاری رکھے۔

۴- قائد کی سب سے اہم اور ضروری صفت ایفائے عہد ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانُ مَسْئُولًا" (الاسراء: ۳۴) ترجمہ: "عہد کو پورا کیا کرو! بیشک عہد کی قیامت میں باز پرس ہونے والی ہے۔" مفسرین فرماتے ہیں کہ عہد میں وہ تمام عہد داخل ہیں جو بندہ نے اپنے پروردگار سے کئے ہیں اور وہ بھی جو کسی انسان سے کئے ہیں، ہر کوئی جانتا ہے کہ انتخابات کے موقع پر ہر جماعت اور ہر پارٹی تکمیل تو دور کی بات کئے ہوئے وعدے بھی یاد نہیں رہتے، یہ وعدے تو صرف ووٹ بینک کو مضبوط کر لینے کے لئے کئے جاتے ہیں اور بس، ایسے قائدین کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو وعدے کریں اس کو پورا بھی کریں، کیونکہ اس کے متعلق باز پرس ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ العدة كالدين کہ وعدہ قرض کے برابر ہے، قائدین کو چاہئے کہ وہ صرف وہی وعدے کریں جن کو پورا کرنا ان کے بس میں ہو، خواہ مخواہ ووٹ کی زیادتی کی خاطر ہزاروں وعدے کرنے کی کیا ضرورت جس کو پورا نہ کر سکیں اور عند اللہ جوابدہ ہوں۔

۵- قائد کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر جانبداری سے کام کرے، عدل و انصاف کو اپنی زندگی کا جزء لاینفک بنا لے، تب ہی قیادت کا حق ادا ہو سکتا ہے، اس

لئے کہ فرقہ پرست عناصر جانبدار قائدین اور لیڈروں کی مدد سے ہی خون خرابہ اور فساد فی الارض پر جری ہو جاتے ہیں اور کھلے عام ایمان سوز اور انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، جانبدار قائدین ان فرقہ پرست اور غنڈہ گرد عناصر کی سرپرستی اور پشت پناہی کریں تو تعاون علی الاثم کے مرتکب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نیکی اور بھلائی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور ظلم و زیادتی میں باہم تعاون مت کرو۔ "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ، وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"۔ (المائدہ: ۲)

یہ ایک نہایت اہم اصول ہے جو ایک مسلمان کے لئے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے، کاش! کہ مسلمان بالخصوص مسلم قائدین اس اصول کو پنائیں تاکہ قوم امن و امان کی زندگی گزار سکیں، اس لئے قائدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں غیر جانبداری کو ملحوظ رکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ کام کریں تاکہ فرقہ پرست اور فسطائی طاقتوں کو ابھرنے کا موقع نہ ملے اور عوام کے جذبات مجروح ہونے سے بچ جائیں۔

ان آیات کی روشنی میں اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ ملی قیادت شریعت کی نظر میں وہی ہے جو دنیوی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے نہ ہو بلکہ دینی احکام کی بجا آوری اور شریعت کی بقا و حفاظت

کے لئے ہو، لیکن زمانہ کی لغت میں ملی قیادت کا مفہوم کچھ اور ہی ہو گیا ہے، صحیح اور مثبت رہنمائی کے بجائے خالص جوش اور شعلہ بیانی اس کا لازمہ بن چکا ہے، آج ملت کے قائدین میں تقویٰ طہارت، پاکیزگی اور دینی شعور و حمیت کا نام و نشان نہیں، جو قائد اپنی جذبہ زبانی سے عوام کے جذبات کو بھڑکاوے، چٹ پٹی لچھے دار تقریر سے خون میں حرارت پیدا کر دے، نت نئے حربوں سے فضاء کو کشیدہ اور ماحول کو پراگندہ کر دے، اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے لئے عوام کو ظلم کا شکار بنادے اور خود عیش و عشرت میں مست رہے، جو قیادت کے نام پر ذاتی مفادات کی تکمیل کرے ایسا شخص ہی آج ملت کا مخلص اور دردمند شمار ہوتا ہے، اگرچہ اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں دین نام کی کوئی چیز نہ ہو اور جس قائد میں یہ صفات نہ ہوں اسے بزدل، غدار اور چالپوس جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے، اب قوم کا قائد صرف وہ ہوتا ہے جو شریعت و عقل کو پس پشت ڈال کر قوم کے جذبات کو اپنی منشاء کے مطابق بھڑکاتا رہے اور اسی بنیاد پر قیادت کا سکہ چلاتا رہے، غماہ ہے کہ ایسی قیادت سے خیر کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ جسے عوام کی خوشی اور غمی کا احساس نہ ہو، جس کا مطمح نظر اور تمام تر کوششیں عوامی مقبولیت مالی نفع اندوزی اور نعرہ ہائے تحسین کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو ایسے ہی غیر ذمہ دار قائدین کے سلسلہ

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جب امت کی قیادت فاسقوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو مسلسل اس طرح مصائب اور آفتوں کا نزول شروع ہو جائے گا جس طرح تیسع اور ہار کے دانے دھاگے کے ٹوٹنے کی وجہ سے گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ: ۹۰: ۲۷، باب اشراط السلۃ)۔

اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوتی نظر آ رہی ہے، آج حکومت کی باگ ڈور ایسے قائدین کے ہاتھوں میں ہے جن میں قیادت کے اوصاف مفرکے درجہ میں ہیں، جو نہ علم کی روشنی کو عام کر رہے ہیں نہ اصلاحی کوششوں اور تحریکوں کو پروان چڑھا رہے

ہیں، بلکہ جو رفتار بے ڈھنگی پہلے تھی وہ اب بھی برقرار ہے، اس لئے موجودہ انتخابات کے لئے ہم ایسے قائدین کا انتخاب کریں جن میں شریعت کی پابندی، اخلاق کی پاکیزگی، تعریف و تفضیح سے بے نیازی، عہد و عہدہ کی پاسداری اور غیر جانبداری بدرجہ اتم موجود ہو، اگر ایسے قائدین امت کو مل جائیں تو یقیناً قوم کی صحیح خدمت کے ذریعہ حق الخدمت ادا کر سکتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری قیادت ایسے قائدین کے ہاتھوں میں جائے جو دل دردمند رکھتے ہوں اور قوم کے درد و غم کو اپنا درد و غم سمجھ کر ہر دم ان کی ترقی و اصلاح کی فکر میں مصروف ہوں، آمین یا رب العالمین۔ □

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرععاون میں 100/- روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرععاون مبلغ 300/- روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

والسلام

منجبر رضوان

سالانہ زرععاون 300/- روپے

فی شمارہ 30/- روپے

الحسنی ہولڈر حضرات نئے شرح نوٹ فرمائیے۔

حصولِ علم اور خواتین اسلام

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے موقع پر باہر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید میری آواز خواتین تک نہیں پہنچی ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اور صدقہ دینے کا حکم فرمایا کہ تم صدقہ دیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا خواتین پر اس قدر اثر ہوا کہ (وہ اپنے زیورات) کان کی بالیاں اور انگوٹھی (وغیرہ) دینے لگیں اور (اتنا سامان ہو گیا کہ) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کے کونے میں جمع کرنے لگے۔ (بخاری: ۲۰/۱، باب حفظة الامام النساء و تعلمهن)

اس حدیث پاک سے جہاں خواتین کے جذبہ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں پر عورتوں کو علاحدہ دینی تعلیم دلوانے کا جواز بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی فکر فرمائی ہے اور اس کا اندازہ بھی

خواتین کے ذوق اور طلب کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ہوگا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خواتین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مرد حضرات ہم پر غالب ہیں (وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ آتے اور رہتے ہیں) لہذا ہمارے لئے کوئی دن مقرر فرمادیتے (تاکہ ہم بھی سیکھ لیں)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دن متعین فرمادیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس متعین دن میں انہیں وعظ و نصیحت فرماتے تھے، ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ اے عورتو! سن لو! جس عورت کے تین بچے مر گئے تو وہ بچے جہنم سے ماں کے لئے حجاب بنیں گے، ایک خاتون نے سوال کیا کہ دو بچے مر گئے تو کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بچوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ (وہ بچے جو کہ بلوغت سے قبل انتقال کر گئے ہوں)۔ دیگر روایت میں ہے کہ وہ سوال کرنے والی خاتون اہل بیتین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، یہی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی جرأت سے سوال کیا کرتی تھیں، بات سمجھنے تک سوال دہراتی تھیں، ان کا امت پر بڑا احسان ہے، کیونکہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہ کرتیں تو علم نہ آتا، آپ رضی

ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاحدہ باضابطہ خواتین کو تعلیم و نصیحت فرمائی ہے، یہ حق ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے، یہ بات سچ ہے کہ عورت کے تعلیم یافتہ ہونے سے سارا گھروں ماحول تعلیم یافتہ ہو سکتا ہے، عورتیں علم کے حصول میں سبقت کریں، ہمت نہ ہاریں اور جو عصری علوم حاصل کر رہے ہیں یا عصری تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنے دین و مذہب سے کنارہ کشی نہ کریں، دینی علم کے حاصل کرنے میں جتنی محنت اور جتنا وقت لگے گا وہ سب کا سب باعث اجر و ثواب ہوگا، آج الحمد للہ نسوانی مدارس جگہ جگہ قائم ہوتے جا رہے ہیں، آج تعلیم کا حصول مشکل مسئلہ نہیں رہا، اس کے باوجود ہم دینی علوم سے آراستہ نہ ہوں تو یہ ہمارے لئے بڑی شرمندگی کا باعث ہوگا، صحابیات کے واقعات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حضور علم کے لئے کتنا اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور کتنی محنت سے محدثات و عالمانہ بنیں، سابقہ اسلامی

مولانا محمد نجیب قاسمی (ڈیپازیشن)

ہمارے معاشرے کی چند برائیاں اور ان کی اصلاح کی کوشش

مسلمان بنائیں۔ لہذا اسلام کے بنیادی ارکان کی ضروری معلومات کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلامی تاریخ سے ان کو ضرور بالضرور روشناس کرائیں۔ اگر ہمارا بچہ ڈاکٹر یا انجینئر یا لکچرار بنا، لیکن شریعت اسلامیہ کے بنیادی احکام سے ناواقف ہے تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیں جواب دینا ہوگا۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ

کا استعمال

معاشرے کی بے شمار برائیاں ٹی وی اور انٹرنیٹ کے استعمال سے پھیل رہی ہیں، لہذا اپنے آپ کو بھی اور اپنی اولاد و گھر والوں کو بھی ان برائیوں سے دور رکھیں، تاکہ یہ ہمارے ماتحتوں کی آخرت میں ناکامی کا سبب نہ بنیں، کیونکہ ہم سے ہمارے ماتحتوں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ (سورۃ الاحریم، آیت: ۶)

کوکٹ دیکھنے میں

وقت ضائع کرنا

بعض حضرات کوکٹ میچ دیکھنے، اس سے متعلق دیگر معلومات حاصل کرنے اور آئینہ کے میچوں میں جیت ہار کے اندازے، نیز اس کے متعلق بحث و مباحثہ میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت لگاتے ہیں۔

قرآن و حدیث اور ان دونوں علوم سے ماخوذ علم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ان دنوں ہم عصری تعلیم کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں کہ بچوں اور بچیوں کو بالغ ہونے کے باوجود، اس لئے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کروایا جاتا، روزہ نہیں رکھوایا جاتا اور قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرائی جاتی کہ ان کو اسکول جانا ہے، ہوم ورک کرنا ہے، پروجیکٹ تیار کرنا ہے، امتحان کی تیاری کرنی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی دنیاوی تعلیم کے لئے ہر طرح کی جان و مال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جو طلبہ عصری درسگاہوں سے پڑھ کر نکل رہے ہیں ان میں سے ایک بڑی تعداد دین کے ضروری مسائل سے ناواقف ہوتی ہے۔ یقیناً ہم اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر اور پروفیسر بنائیں، لیکن سب سے پہلے ان کو

ہمارے معاشرے کی مختلف برائیوں میں سے چند برائیاں کافی عام ہونگی ہیں، ہمیں مشترکہ طور ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔

بچوں کی دینی تعلیم

و تربیت کا فقدان

قرآن و حدیث میں علم کی اہمیت پر بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، حتیٰ کہ پہلی وحی کا پہلا لفظ اقرا بھی اسی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ مگر عصر حاضر میں ہم نے ان تمام آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کا تعلق عملی طور پر دنیاوی تعلیم سے جوڑ دیا ہے، حالانکہ قرآن و حدیث میں جہاں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے، وہاں وضاحت موجود ہے کہ اسی علم سے دونوں جہاں میں بلند و اعلیٰ مقام ملے گا جس کے ذریعہ اللہ کا خوف پیدا ہو، جو تقدیر پر ایمان کی تعلیم دیتا ہو اور جس کے ذریعہ انسان اپنے حقیقی خالق و مالک و رازق کو پہچانے اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سارے امور حرام ہیں اور ہمیں اپنی پسند کی ٹیم کو داد و تحسین سے نوازنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن ہمیں غور و فکر کرنا چاہئے کہ ان امور میں وقت صرف کرنا اب تک ہماری زندگی میں کتنا نفع بخش ثابت ہوا؟ لہذا عقل مندی اسی میں ہے کہ کرکٹ کھیلنے یا میچ دیکھنے میں ہماری مشغولیت اللہ کے احکام، مثلاً نماز کی ادائیگی سے مانع نہ بنے۔ قیامت دے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ پانچ سوالات کا جواب دے دے زندگی کہاں گزاری؟ جوانی کہاں لگائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ یعنی حصول مال کے اسباب حلال تھے یا حرام؟ مال کہاں خرچ کیا؟ یعنی مال سے متعلق اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کئے یا نہیں؟ علم پر کتنا عمل کیا؟ (ترمذی)

بندوں کے حقوق کی

ادائیگی میں کوتاہی

جن کبیرہ گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی، ان میں کوتاہی کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، ان شاء اللہ۔ لیکن اگر گناہوں کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، مثلاً کسی شخص کا سامان چرایا کسی شخص کو تکلیف دی یا کسی کو گالی دی یا کسی شخص کا حق مارا تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی معافی کے لئے

سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس بندے کا حق ہے، اس کا حق ادا کیا جائے یا اس سے حق معاف کروایا جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے لئے رجوع کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا، مگر حال یہ ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

غیبت

سب سے پہلے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سمجھیں کہ غیبت کیا چیز

ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ کہا گیا اگر وہ چیز اس میں موجود ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ چیز اس کے اندر ہو تو تم نے غیبت کی اور اگر نہ ہو تو وہ بہتان ہوگا۔ (مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے، لیکن بد قسمتی سے یہ دونوں ہی برائیاں عام ہیں، اللہ ان دونوں برائیوں سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔ کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا، یعنی غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ بھلا کون ایسا ہوگا جو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے نفرت دلائی ہے، ارشاد باری ہے: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن

آئے گی۔ (سورۃ الحجرات)

جھوٹ

معاشرے کی ایک مہلک بیماری جھوٹ بولنا ہے، جو بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے، ان کے لئے جہنم تیار کی ہے، جو بدترین ٹھکانا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب (آیت: ۷۰-۷۱) میں ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ جھوٹ بولنے والوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعید ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی یکساں طور پر سچ کہتا ہے اور سچائی کی کوشش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی نظر میں اس کا نام سچوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچے رہو، اس لئے کہ جھوٹ گناہ اور نَجْو رہے اور نَجْو روزخ کی راہ بناتا ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے اور اسی کی جستجو میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا شمار جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

بہ پردگی

پاکیزہ معاشرہ اور صاف ستھری سوسائٹی کے لئے عورتوں کو گھروں میں رکھ کر گھریلو ذمہ داریاں ان کو دی گئیں اور مردوں کو باہر کی ذمہ داریوں کا پابند کر کے

مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط سے حتی الامکان روکا گیا، تاکہ ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے اور مسلم معاشرے کی یہ خصوصیت اب تک باقی تھی اور تقریباً پچیس سال سے مغربی تہذیب سے ہمارا معاشرہ بری طرح متاثر ہوا ہے اور افسوس و فکر کی بات ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے بعض مسلم دانشور اس کوشش میں ہیں کہ بے پردگی کو جواز کا درجہ دے دیا جائے۔ اسی پس منظر میں قرآن و حدیث کی روشنی میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کو مشترکہ حکم (يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ) اور (يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ) (سورہ النور: ۳۰-۳۱) کے الفاظ میں دیا ہے، قرآن کریم میں بہت سے مقامات اور احادیث میں بکثرت یہ حکم وارد ہوا ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ شرم گاہ کی حفاظت پردہ سے ہی ہوتی ہے اور عصمت دری کی ابتدا بے پردگی سے ہو کر زنا کی حد تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زنا بند لگانا ہی ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری-۲) اسی طرح فرمان الہی ہے: (وَلَا يَخْضِبْنَ وِجْهَهُنَّ لِئَلَّا يَكْفُرَ بِلِئَامِ اللَّهِ) (سورہ النور، آیت: ۳۱)

عورتوں کو زمین پر پھینچ کر چلنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں پازیب کی جھنکار و زینت سے کوئی گرویدہ نہ ہو جائے۔ اگر پازیب کی آواز کو پردہ میں رکھا گیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عورت کو زیب و زینت کے ساتھ بے پردہ گھومنے کی اجازت دی جائے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی عورت کو پیغام نکاح دینے کا ارادہ ہو تو اس کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ (مسند احمد) اس حدیث میں صرف پیغام نکاح دینے والے کو غیر محرم عورت کو دیکھنے میں گناہ سے مستثنیٰ کرنے کا مطلب واضح ہے کہ غیروں کو دیکھنے اور دکھانے میں گناہ ہوگا۔ نیز حالت احرام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کہ جب مردوں کا گزر ہوتا تھا تو ہم عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانک لیتی تھیں۔ حالانکہ حالت احرام میں چہرہ کا کھولنا واجب ہے۔ لیکن ایک عمومی واجب پر عمل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی، احرام کے واجب کو ترک کر دیتی تھیں، ورنہ اگر چہرہ کا پردہ عام حالت میں صرف مستحب ہوتا تو استحباب کے لئے صحابیات اور خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترک واجب نہ کرتیں۔ (ابوداؤد)

مہر کسی ادا نیگی نہ کرونا

مہر عورت کا حق ہے اس کو نکاح کے

وقت متعین اور محبت سے قبل ادا کرنا چاہئے۔ مہر میں حسب استطاعت میانہ روی اختیار کرنی چاہئے، نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں تقریباً سات جگہوں پر مہر کا ذکر فرمایا ہے، لہذا ہمیں مہر ضرور ادا کرنا چاہئے۔ اگر ہم بڑی رقم مہر میں ادا نہیں کر سکتے اور لڑکی کے گھر والے مہر میں بڑی رقم متعین کرنے پر بضد ہیں، جیسا کہ ہمارے ملکوں میں عموماً ہوتا ہے تو ہمیں حسب استطاعت کچھ نہ کچھ مہر ضرور نقد ادا کرنی چاہئے (اور باقی موبل طے کر لیں) جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ فروخت کرا کے مہر کی ادائیگی کرائی۔ آج ہم جہیز اور شادی کے اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، لیکن مہر کی ادائیگی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس سے کتراتے ہیں۔ مقدار مہر کی تعیین میں بے اعتدالی نہ برتی جائے، اس کی مقدار اتنی ہو کہ مرد با سانی ادا کر دے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: عورتوں کے مہر کے معاملے میں غلو نہ کرو کہ عداوت کا سبب بن جائے۔ (مسند احمد)

جہیز کی لعنت

امت کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چند چیزیں عنایت فرمائی تھیں،

جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک چادر، چڑے کا تکیہ، جس کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو چھوٹے گھڑے بھی دیئے۔ (مسند احمد و نسائی) لیکن اسے سنت کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا اور ان دونوں کو کوئی چیز دینا احادیث میں وارد نہیں ہے۔ اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیٹیوں کو بلا تفریق جہیز سے نوازتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے وقت نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی ذاتی گھر تھا اور نہ ہی کوئی ساز و سامان۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح کی خبر حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ نے سنی تو بخوشی اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اپنا ایک گھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رہنے کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ۴۸ درہم میں فروخت کر دی اور جاتے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحفہ میں دے دی۔ اسی زرہ کے پیسے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا سامان خرید اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما

دشوت

رشوت کا مطلب ہے اپنے جائز و ناجائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اہل منصب کو روپے یا کوئی دوسری چیز پیش کرنا۔ موجودہ دور میں اس لین دین کو ہدیہ یا نذرانہ کا خوبصورت نام دیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ رشوت ہے۔ رشوت کی مذمت اور اس کے لینے اور دینے والوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعیدیں بیان کی ہیں، چنانچہ فرمان رسول

ہے: رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت برتی ہے۔ (ابن ماجہ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔ (طبرانی) اسلام کی نظر میں جس طرح رشوت لینے اور دینے والا ملعون اور دوزخی ہے، اسی طرح اس معاملہ کی دلالی کرنے والا بھی حدیث رسول کی روشنی میں ملعون ہے۔ صحابی رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے اور رشوت کی دلالی کرنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسند احمد و طبرانی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرنا کفر کے برابر ہے اور عام لوگوں کا ایک دوسرے سے رشوت لینا سخت یعنی حرام ناپاک کمائی ہے۔ (طبرانی)

رشوت دینے کی گنجائش کب ہو سکتی ہے؟

ایک شخص کا حق ہے جو اسے ملنا چاہئے، رشوت دیئے بغیر نہیں ملے گا، یا اتنی دیر سے ملے گا جس میں اسے غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ اسی طرح اس کے اوپر کسی فرد کی طرف سے ظالمانہ مطالبات عائد ہو گئے ہیں اور رشوت دیئے بغیر ان سے خلاصی مشکل ہے تو امید ہے کہ رشوت دینے

والا شخص گناہگار نہ ہوگا، البتہ دیانت شرط ہے، جس کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی۔

سود یعنی انسانوں کو ہلاک کرنے والا گناہ

سب سے پہلے سمجھیں کہ سود کیا ہے؟ وزن کی جانے والی یا کسی پیمانے سے ناپی جانے والی ایک جنس کی چیزیں اور روپے وغیرہ میں دو آدمیوں کا اس طرح معاملہ کرنا کہ ایک کو عوض کچھ زیادہ دینا پڑتا ہو اور سود کہلاتا ہے۔ جس وقت قرآن کریم نے سود کو حرام قرار دیا اس وقت عربوں میں سود کا لین دین متعارف اور مشہور تھا اور اُس وقت سود اُسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو زیادہ رقم کے مطالبہ کے ساتھ قرض دیا جائے، خواہ

لینے والا اپنے ذاتی اخراجات کے لئے قرض لے رہا ہو یا پھر تجارت کی غرض سے، نیز وہ صرف ایک مرتبہ کا سود ہو یا سود پر سود۔ مثلاً زید نے بکر کو ایک ماہ کے لئے ۱۰۰ روپے بطور قرض اس شرط پر دیئے کہ وہ ۱۱۰ روپے واپس کرے، تو یہ سود ہے۔ بینک میں جمع شدہ رقم پر پہلے سے متعین شرح پر بینک جو اضافی رقم دیتا ہے وہ بھی سود ہے۔ سود کی حرمت قرآن و حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے، جس کے حرام ہونے پر پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام مذکورہ برائیوں سے محفوظ رہ کر دنیاوی فانی زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین

□□□

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہو گیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بقایا ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر سالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

رضوان کا سالانہ چندہ مبلغ - 300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

سردی، تپتی دھوپ ہو، یا ٹھنڈی چھاؤں، انہیں تو ہر حال میں یہاں کھڑے ہو کر سامان فروخت کرتا ہے، تاکہ گھر کا چولہا بھی جلے اور بچی ہوئی رقم جوڑ جوڑ کر دو بیٹیوں کے لیے جہیز بھی تیار کر سکیں۔

●..... یہ سمیہ ہے! یتیم سمیہ..... ڈگری کے بعد آج تک کئی برس ہونے کو آئے، اپنی ماں کے گھر شادی کے انتظار میں بیٹھی ہے۔

●..... یہ یاسمین ہے۔ بے انتہاء حسین! مگر تھوڑی سی فریہ جسم! اب اس موٹاپے کا کیا کریں؟ یہی شادی کے لئے رکاوٹ بن گیا ہے۔

●..... یہ ثناء ہے۔ سانولی رنگت کی، معمولی شکل و صورت والی لڑکی، کسی کی نظر انتخاب اس کی طرف جاتی ہی نہیں۔

●..... یہ بیگ صاحب ہیں، بہت محنت کے بعد ایک مناسب رشتہ تلاش کیا، بیٹی کا معاملہ تھا، ادھر سے مطالبہ تھا کہ شادی معیاری ہونی چاہئے۔ ہمارے یہاں ”معیاری شادی“ کا معیار ہی اتنا اونچا ہے کہ وہاں تک پہنچنے کی فکر میں بہت سے غریب زمین کے نیچے بیچے جاتے ہیں۔ خیر انہوں نے معیاری شادی تو کر دی، مگر اب قرضوں کے بوجھ نے ان کے وجود کو تھکا ڈالا ہے۔

●..... یہ شاہانہ ہے! طویل انتظار کے بعد شادی ہوئی، اللہ نے انعام کیا، شادی کے اگلے ہی برس پھول جیسی جڑواں بیٹیوں نے جنم لیا۔ مگر یہ کیا؟

ادھر بیٹیوں کی پیدائش ہوئی، ادھر شوہر

بس معاشرہ کے رحم و کرم پر ہے۔

میں آپ سب سے ان والدین اور بہنوں اور بیٹیوں کا درد بیان کرنا چاہتی ہوں، جو مجبور و لاچار ہیں، غربت نے ان کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں، شرافت نے ان کے منہ پر تالے لگائے ہوئے ہیں، فکر، غم، اندیشے اور پریشانی ان کے چہروں سے عیاں ہیں۔

ان کے پاس خاموش فریادوں، سسکیوں، اور آہوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس یہ درد لکھنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں، زبان قلم گنگ ہو گئی ہے، ہاتھ بار بار رک جاتے ہیں، طبیعت بو جھل ہو رہی ہے۔

●..... یہ بوڑھی بیوہ رضیہ ہے۔ دن بھر لوگوں کے یہاں کام کر رہی ہے۔ عمر رسیدگی کی وجہ سے اسے اپنا بوجھ ہی اٹھانا مشکل ہے، مگر ابھی تو اسے اپنی چھوٹی بیٹی کا جہیز تیار کرنا ہے۔

بیچاری تھکا دینے والی محنت کرتی ہے۔

●..... یہ بوڑھے اور کمزور مصطفیٰ چچا ہیں، شہر کے پاش علاقہ میں ٹھیلہ لگاتے ہیں، پھر چاہے، موسلا دھار بارش ہو یا کڑا کے کی

آج میں آپ کے سامنے ”بیٹیوں کا درد“ لے کر آئی ہوں۔ بیٹیوں کا درد؟ جی ہاں! مسلم بیٹیوں کا درد.....

میں ایسی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی نمائندہ بن کر کچھ لکھنے جا رہی ہوں، جن کے پاس صرف آنسو اور آہیں ہیں، التجائیں اور فریادیں ہیں، بے قراری اور اضطراب ہے۔ میرے اطراف میں، ہر جگہ آنسو ہیں۔

○..... ماں کے آنسو، جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتی ہے، رورود کر سوتی ہے، مسجدوں میں تڑپ تڑپ کر دعا کرتی ہے کہ کسی طرح اس کی بیٹی کا بیاہ ہو جائے۔

○..... باپ کے آنسو: جو غربت، کمزوری، بیماری، یا عمر رسیدگی کی وجہ سے بیٹی کا جہیز تیار نہیں کر سکتا ہے۔

○..... بہن کے آنسو: جو اپنی ہم عمر لڑکیوں کی شادی ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کے سوالات اور طنز و طعنون کا نشانہ بنتی ہے۔

○..... بیٹی کے آنسو: جو سراپا محتاج ہے، بے بسی کی تصویر، جو خود کچھ نہیں کر سکتی،

سڑک حادثہ میں چل بسا۔ ساس سسر نے جو حقیقی ماموں ممانی ہیں۔ گھر سے نکال دیا، 15 سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے، مگر شاہانہ آج بھی تنہا اور بے سہارا ہے، کہنے کو تو ماں باپ کے گھر میں ہے، مگر یہاں نہ اسے عزت بھرا برتاؤ ملانہ پہلے جیسا پیار..... اب تو وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے لئے فکر مند رہنے لگی ہے۔

●..... یہ فوزیہ ہے۔ چار بیٹیوں کے بعد..... اس بار بھی اس کے پاس بیٹی کی ہی ولادت ہوئی ہے۔ غریب ماں باپ اور پانچ بیٹیاں..... سارے گھر پر سکوت کا پہرہ تھا، بلکہ یوں کہنے موت کا سانسانا تھا۔ مبارکباد دینے گئے تو یوں لگ رہا تھا، جیسے تعزیت کرنے آئے ہیں۔

●..... اور یہ فرحین ہے! فرحین کا قصہ لکھنے کے لئے قلم کی سیاہی کے بجائے خون کے قطرے چاہئے، قلب شہر سے چند کلومیٹر کی دوری پر ایک بستی میں فرحین تہا زندگی گزار رہی ہے۔ اس کی روداد سنیں تو لگتا ہے کہ واقعی انسان مر چکا ہے۔ اس کے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں، اس کے والدین اپنی وفات سے پہلے بستر سے لگ گئے تھے، ان کی خدمت کے حوالہ سے اس کے بھائیوں نے اس کی شادی

ہونے نہیں دی، اور آج بھی وہ اس کی شادی کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوئے ہیں، تاکہ فرحین کی موت کے بعد اس کا مکان (جو اس کے والد کی جہہ کی ہوئی زمین پر، ترکہ اور وراثت میں ملنے والی رقم سے بنا ہوا، اس کا اپنا ذاتی مکان ہے) ان کے قبضے میں آسکے۔ آج وہ اکیلی ہی جی رہی ہے، پانچ بھائیوں نے

زندگی کے ہنگاموں میں اسے بھلا دیا ہے، اس کی بہنوں کے پاس بھی اس کے لئے وقت نہیں ہے، شہر میں اس کا پورا خاندان ہے، مگر کوئی اس کے حوالے سے سنجیدہ نہیں ہے۔ وہ ہنستی ہی رہتی ہے، مگر جب ہنستے ہنستے کبھی روتی ہے تو پھر سامنے والے کا دل ڈوبنے لگتا ہے۔

اس کے آنسو، اس کی سسکیاں، اس کے بے قراری، اس کی تڑپ۔

کاش! کسی کو اس کا خیال آجائے۔ کہنے کو تو میرے دور کے انسان نے بہت ترقی کر لی ہے۔ چاند پر کنڈ ڈال دی، سمندروں کو کھنگال ڈالا، پہاڑوں کے سینے چاک کر لئے، مگر انسانیت سے گر گیا۔ کل تک کا آدمی اگرچہ علم و فن، تہذیب و تمدن کی ترقی سے محروم تھا، مگر وہ حقیقی معنوں میں انسان تو تھا، اسے دوسروں کی فکر تڑپاتی تو تھی، دوسروں کا درد اسے رلاتا تو تھا، دوسروں کے آنسو وہ پونچھتا تو تھا۔

آج کا انسان کائنات کے رموز و اسرار پڑھنے لگا ہے، مگر اپنے ارد گرد کے لوگوں کا درد پڑھنے سے ہنوز قاصر ہے، بڑی بڑی کن بیڑوں، اور خورد بیڑوں سے نہ جانے کن کن چیزوں کو دیکھ لیتا ہے، مگر ابھی تک وہ آنسو نہیں دیکھ سکا ہے، جو بیٹی کی آنکھ سے پھلتا ہے۔

یہ ترقی کیوں کر قابل تحریف ہو سکتی ہے؟ جس میں آدمی اپنے جسم کے ساتھ آسمان کی بلندیوں میں تو پہنچ جائے، مگر اخلاقی اعتبار سے انسانیت سے گر جائے۔

کیسی ترقی ہے؟ جہاں بیٹی آج بھی روتی ہے۔

یہ کیسی ترقی ہے؟ جہاں بیٹی آج بھی فراموش کی جاتی ہے۔

یہ کیسی ترقی ہے؟ جہاں بیٹی والے آج بھی بے چین، بے قرار ہیں۔

ہاں یہ سچ ہے کہ..... گذشتہ صدیوں کے مقابلے میں یہ صدی بہت زیادہ ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، تہذیب یافتہ ہو گئی ہے، مگر اسی روشن دور میں.....

●..... میں نے ایسے ”باپ“ کو بھی دیکھا ہے، جو 8 بیٹیوں کی شادی اور جہیز کی فکر و بوجھ سے دب گیا تھا، مسلسل فکر مند رہتے رہتے ایک دن اس کا دل بھی خاموش ہو گیا، اور وہ اچانک ہی خاموشی کے ساتھ آخری سفر پر روانہ ہو گیا، اس کے جنازے میں بہت سے لوگ تھے، لوگ اس کی موت کا انفسوس کر رہے تھے، کہہ رہے تھے:

(بچارے! بیٹیوں کیلئے بہت فکر مند تھے) پھر اس ”بچارے“ کو بھی فوت ہوئے پانچ سال کا عرصہ ہو گیا، کسی کو اس کی بیٹیوں کی شادی کی فکر نہیں ہوئی۔

○..... میں نے ایک ایسے ”باپ“ کو بھی دیکھا ہے، جو راتوں کو کم ہی سوتا ہے، سب سے الگ تھلک ہو کر فکر میں ڈوبا رہتا ہے، جب سب سو جاتے ہیں، تو وہ اٹھ کر روتا ہے، کبھی دعا کرتا ہے، کبھی خود کو دلا سے دیتا ہے، کبھی ہمت ہار جاتا ہے۔ بالکل یہی حال میں نے بہت سی ماؤں کا دیکھا ہے۔

اور بہت سی ان بہنوں کو بھی دیکھا ہے، جو اس فکر میں ہنسنا بھول گئی ہیں۔

میں یہ سب کچھ دیکھ کر تڑپتی رہتی ہوں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کن خطوط پر ہماری تربیت کی تھی، کن نقوش پر ہم کو ڈالا تھا، کیا تعلیمات دی تھیں، کیا نمونہ چھوڑا تھا اور آج ہم نے یہ کیا کچھ کر ڈالا؟ اسلام نے ہمارے لئے کتنی آسانیاں فراہم کی تھیں، یہ دشواریاں ہم نے کیوں پیدا کی ہیں؟ اللہ گواہ ہے کہ یہ صورتحال مجھے کتنی تکلیف دیتی ہے؟ میں جب کسی ماں بہن کی آنکھ میں آنسو اور چہرے پر کرب دیکھتی ہوں تو کئی کئی دن تک دل و دماغ اس اذیت کو محسوس کرتے ہیں، میں نے اپنے درد و احساس کو الفاظ کا پیرہن دیا ہے، یہ میں نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے، وہ میرے اطراف کے حقیقی کردار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس درد کو، اس تکلیف کو آپ بھی بہت اچھی طرح سے محسوس کرتے ہیں۔

ہم مسلمان جسد واحد ہیں، کلمہ کی اساس پر ہم ایک ہیں؟ ایک کا غم سب کا غم ہے، ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے، اخوت اسلامی کی بنیاد پر سب سے تعلق رکھنا، سب کی سوچنا، سب کی خبر گیری کرنا، سب کے مسائل کو حل کرنے کی سوچنا، آداب معاشرت میں سے ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ امت کے علماء اور ذمہ دار افراد بیک وقت کئی محاذوں پر کام کر رہے ہیں، یہ معرکہ بھی سرکے جانے کا طلبگار ہے، اس کی سنگینی ایسے وقت میں تو مزید

بڑھ جاتی ہے جب کہ غربت و جہیز کی لعنت کی وجہ سے بہت ساری لڑکیاں مرتد ہو کر غیر مسلم لڑکوں سے شادی رچانے لگی ہیں۔

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم سنجیدہ ہو کر کوئی امید افزا قدم اٹھائیں؟ میں نے بہت ہمت جمع کر کے یہ تحریر لکھی ہے۔

کاش کہ کوئی امت کی بیٹیوں کے غم میں بیدار ہو جائے۔

کاش کہ کوئی راتوں میں ان کے لئے روئے اور دن کو ان کے لئے تڑپے۔

اگر کوئی فرد، کوئی جماعت، کوئی تحریک اس جانب قدم بڑھاتی ہے تو یہ والدین اور بیٹیوں پر، بلکہ معاشرہ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ فک رقبتہ (غریب لوگوں کے بوجھ اتارنے کی) ایک ایسی عملی سعی ہوگی، جو اللہ کے یہاں ضائع نہیں جائے گی۔

آپ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ: من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منها۔ (سورۃ نساء: ۸۵)

جو کوئی بھی نیکی کے کام میں اپنا حصہ ڈالے گا، اسے اس کی محنت اور کاوش کے بقدر بلکہ اس سے بڑھ کر اجر و ثواب ملے گا۔

ان حالات میں جہاں مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں، ہوس نے نوع انسانی کے گلڑے گلڑے کر دیئے ہیں، ہمدردی کے جذبات کہیں کھو گئے ہیں، غریب رورہا ہے، امیر مزے اڑا رہا ہے..... امید کی ساری نکا ہیں تلاش کر رہی ہیں کہ کون درد مند اٹھتا

ہے؟ اور نکاح آسان کرنے کے لئے کون معاشرہ میں صورت چھونکتا ہے؟

○..... کتنا اچھا ہوگا کہ ایسے مصلحت زدہ معاشرہ میں نکاح کو آسان کرنے کے لئے سب سے پہلے علماء خود آگے بڑھ کر اس کا عملی نمونہ پیش کریں، مسنون نکاح/یا شرعی شادی ان کے لئے اختیاری عمل نہ ہو۔ بلکہ ایک لازمی عمل ہو۔

اور آسان نکاح کی تصویر یہ ہو کہ مسجد میں عقد ہو، اور گھر سے رخصتی۔ یعنی نکاح کے وقت یا نکاح کے دن کوئی استقبالیہ تقریب نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے نکاح اسی طرز کے تھے، معاشرہ میں علماء ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں، اور صحیح معنوں میں سب سے زیادہ ان کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ سنتوں کو زندہ رکھیں۔ آج کے اس دور میں بھی عوام علماء ہی سے تبدیلی اور عملی نمونہ کی توقع رکھتے ہیں اور ان کی ڈھٹائی کی حد تو یہ ہے کہ کبھی کبھی اپنے خلاف شرع کاموں کو بھی علماء سے منسوب کرتے ہیں کہ: ”وہ عالم بھی تو ایسا کرتے ہیں“۔ علماء جب سنت کے مطابق نکاح کریں گے تو امید ہے کہ عوام خود ہی ان کے قدم پر چلنے لگے گی۔

○..... یہ بھی اچھا ہوگا کہ ہر ذمہ دار آدمی ایسے لوگوں کی خبر رکھے، جو کسی مجبوری یا رکاوٹ کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے ہیں، معلوم ہونے پر رکاوٹ کو دور کر کے شادی کے لئے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

○..... امت کے اہل ثروت و اہل

خیر حضرات بھی آگے آئیں اور اپنے خاندان اور اپنے محلے، علاقے کے غریب لڑکے لڑکیوں کی ”اسلامی شادی“ (شرعی اور سادہ نکاح) کا ذمہ اور خرچ اٹھالیں۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ
وَالضَّالِّجِينَ مِنْ عِبَائِكُمْ وَإِمَائِكُمْ
إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ.

(سورہ نور: ۳۲)

”اور اپنے میں سے غیر شادی شدہ (خواہ شادی ہی نہ کی ہو، یا کسی اور سبب سے بیوی یا شوہر نہ ہوں) نیز اپنے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں، ان کا نکاح کرو۔ اگر وہ تنگدست ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو مالدار کر دیں گے اور اللہ وسعت والے اور سب کچھ جانتے ہیں۔“ (آسان تفسیر قرآن مجید: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک حقیقی واقعہ بیان کرتی چلوں۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ کے حقیقی چچا تھے، آپ کا شمار ماضی قریب کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے، ”قاضی“ نہ تو آپ کے نام کا جزو تھا، اور نہ ہی آپ پیشے سے قاضی تھے، بلکہ رشتے طے کرنے، اور نکاح کراتے رہنے کی وجہ سے وہ ”قاضی صاحب“ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

وہ میری والدہ کے قرابت داروں میں سے تھے، میری والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ:

قاضی صاحب جب تک زندہ تھے، اس وقت تک خاندان میں نکاح بہت آسان تھے، بہت سارے رشتے وہ آپس میں ہی طے کرایا کرتے تھے، خاندان بھر میں لڑکا یا لڑکی کے بالغ ہوجانے کے بعد وہ نکاح میں تاخیر کرنے کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے، اور اس تاخیر کے لئے تعلیم یا نوکری یا غربت کسی قسم کا کوئی عذر قابل قبول نہ تھا، نکاح میں تاخیر کرنے کو ہی وہ بہت سارے مفاسد کی بنیاد مانتے تھے۔ آپ کی زندگی میں ایسا نہیں ہو پایا کہ بلوغت کے بعد زیادہ دیر تک کوئی فرد خاندان بن بیاہا رہ گیا ہو، پہلے تو والدین کو اس طرف متوجہ کرتے تھے، ادھر سے کوئی اقدام نہ ہونے پر خود ہی رشتہ طے کر دیتے تھے۔ خاندان کے سرپرست اور بزرگ ہونے کی وجہ سے کسی کو اعتراض یا انکار کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ خاندان بھر میں جہاں جاتے تھے، اس کا خیال رکھتے تھے، کبھی تو باتوں باتوں ہی میں رشتہ طے کر دیتے تھے، اور کبھی تو برسوں ہی دو چار احباب کو جمع کر کے نکاح پڑھا دیتے تھے۔

میری والدہ صاحبہ یہ بھی کہتی ہیں کہ: خاندان کے علاوہ بھی، پاس پڑوس، محلے گاؤں کے بے شمار بچوں کے رشتے بھی طے کئے، اور اپنی سرپرستی میں نکاح بھی کروائے۔ وہ جب خاندان میں کسی کے یہاں ملاقات کے لئے جاتے تو لوگ مزاحاً کہا کرتے تھے کہ: دیکھو! قاضی صاحب آئے ہیں، کسی کا نکاح پڑھا کر ہی جائیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اپنے چچا کی سوانح حیات میں آپ کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے۔

ہمارے معاشرہ کا سب سے زیادہ مظلوم اور دکھی طبقہ ان بہنوں اور بیٹیوں کا ہے، جو نکاح کے بندھن ٹوٹ جانے کی وجہ سے والدین کے گھر لوٹ کر آگئی ہیں، ان کے درد و غم کی الگ ہی داستان ہے:

وہ جب سامنے آتی ہیں تو مسکراتی ہیں:
مگر پھر بھی غم چھپا نہیں سکتیں۔
پلکیں تو بیگ ہی جاتی ہیں۔

تہائیوں میں، راتوں میں، اٹھوں سے اپنے زخموں کو دھو لیتی ہیں، چپکے چپکے..... وہ اپنے غم پی لیتی ہیں۔

وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ قوم کی ان بیٹیوں کے لئے بھی کچھ سوچا جائے، ان کے لئے آسانیاں فراہم کی جائیں، انہیں قبول کرنے کے لئے عوام کو آمادہ کیا جائے۔

میں قوم کی ایک کمزور اور بے بس، ناتجربہ کار بیٹی ہوں۔ میں شاید اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتی ہوں کہ:

”لوگوں کے دلوں پہ دستک دوں۔“
میں نے اپنی آواز آپ تک پہنچائی ہے۔
اپنا درد، اپنا غم آپ کو سنایا ہے۔
جی ہاں! آپ کو ہی.....

اور میں امید کرتی ہوں کہ دل سے نکلی ہوئی یہ بات دل تک راستہ بنا لیں گی۔

○○○

بوڑھے بچے

جن کی ایک ”آہ“ آپ کی زندگی الٹ اور ایک دعا آپ کی زندگی پلٹ سکتی ہے

یہاں، اتنی بڑی سڑک کے بچے و بچوں کیوں کھڑے ہیں؟ کیا ہوا؟ اور یہ ہاتھوں میں اتنا سامان کا ہے کا ہے؟ مجھ سے کہا ہوتا، میں لا دیتا، آپ کیوں اس عمر میں تن تنہا گھر سے نکلے؟ کہیں گر کر جا جاتے تو؟ چوٹ لگ جاتی۔ وہ بوڑھا مسکرایا اور بولا ”بیٹا میں گھر میں فارغ ہی تھا سو چا کیوں نہ ایک تو تبدیل چلنے کا شغل ہو جائے، لگے ہاتھ گھر کا سودا سلف بھی لے لوں گا۔ بس یہ ٹریفک کا رٹا اتنا تھا کہ گھبراہٹ کے مارے سڑک پار نہ کر سکا اور گھبراہٹ کے قدم وہیں جم گئے۔“

نوجوان نے اپنے دادا کے ہاتھ سے سامان کے تھیلے پکڑے۔ اس کے دوستوں نے دادا کا ہاتھ پکڑا اور پھر وہ دادا کو بڑی محبت اور احتیاط سے گھر کے قریب لے گئے، کسی نے سہارا دیا کسی نے باتوں سے دل بہلایا یوں بڑے میاں کی حالت تھوڑی بہتر ہوئی اور کچھ لمحوں پہلے کی جو گھبراہٹ تھی وہ بھی ختم ہوتی گئی۔ اچانک اس نوجوان کے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اوہ! یہ ہم نے کیا کر دیا۔ اگر آج اپنے دادا کو اس طرح سڑک پر حیران پریشان کھڑا دیکھ کر میرا دل کانپ اٹھا تو وہ جو پچھلے سنگل پر ایک بابا جی بالکل ایسی ہی صورت حال کا شکار لوگوں کی جھنجھلاہٹ اور غصے کا سامنا کر رہے تھے وہ بھی تو کسی کے دادا، نانا اور باپ تھے۔ کیا پتا وہ بھی اپنے گھر سے نکلے ہوں اور ہم نے بجائے ان کی مدد کرنے کے، ان کا مذاق اڑا دیا، ان پہ طعنے کئے، بدتمیزی کی۔ کیا تھا جو ہم ان کی بھی مدد کر دیتے، ان سے ایک دفعہ محبت سے،

ہے۔ یہ آوازیں کھسک پھسکی صورت بوڑھے کے کانوں تک پہنچ رہی ہیں، کچھ مچلے تو تہذیب و ادب کی حدود و قیود کو تقریباً پھلا نکتے ہوئی آوازے کس رہے ہیں کہ ارے او بڑے میاں آپ جیسے لوگ ہی تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ کسی گاڑی سے کلرا گئے تو بدنام تو ہم نوجوان ہی ہوتے ہیں تاکہ ہمیں گاڑی موٹر سائیکل چالنے کی تمیز نہیں۔ لیجیے! آگے بڑھتے ہی ان بدتمیز نوجوانوں کی ٹوٹی میں سے کسی ایک کو اسی طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا ایک اور بزرگ نظر آیا۔ اب کے تمام نوجوانوں نے پھر سے وہی ہنسی، طنزیہ جملے اچھالنے کا قصد ہی کیا تھا کہ ایک نوجوان چلا اٹھا۔ خاموش! یہ میرے دادا ہیں۔ لڑکوں کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔ تقریباً سبھی لڑکے بھاگتے ہوئے اس بزرگ کے پاس پہنچے۔ نوجوان نے نہایت فکر مندی سے پوچھا۔ ارے دادا! آپ

سڑک پر بے ہنگم ٹریفک کے جھوم کے درمیان وہ کمزور لاغر بوڑھا شخص بے یار و مددگار کسی بچے کی مانند سہا کھڑا تھا۔ آس پاس سے کچھ تنہا، کچھ ٹولیوں کی شکل میں ہنسنے باتیں کرتے لوگ گزر رہے ہیں، چند ایک کی نظر اس بوڑھے پر ٹھہرتی ہے۔ طنزیہ نظریں، غصیلی نظریں، ترس کھائی نظریں اس بوڑھے کو مزید حواس یافتہ کئے جا رہی ہیں۔ مگر لوگوں کے اس جھوم میں ایک بھی نظر شفقت، محبت کی نہیں ہے۔ نہ جانے کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جانا چاہتا ہے؟ ہمیں کیا؟ ہمارا کیا لگتا ہے؟ بھلا ضرورت ہی کیا تھی اس عمر میں بھری سڑک پر منہ اٹھا کر نکل آنے کی؟ نہ راستہ پتا ہے نہ ہی ٹھیک سے نظر کام کر رہی ہے۔ پھر بھی بڑے میاں گھر میں نلک کے بیٹھ نہیں سکے۔ نہ خود آرام سے جیتے ہیں نہ لوگوں کو جینے دیتے ہیں۔ ساری ٹریفک جمع کر دی، تماشا لگا رکھا

اپنائیت سے پوچھتے تو سہی کہ آپ کو کہاں جانا ہے بابا؟ آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں؟ آئیے ہم آپ کو سڑک پار کرادیں۔ یہ سوچ کر وہ نوجوان شرمندگی کی اٹھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو شاید میرے دادا کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا۔ وہ خود سے آنکھ نہیں ملا پارہا تھا۔

جی ہاں! اپنے ارد گرد اگر نظر دوڑائی جائے، مشاہدہ کیا جائے تو ایسی ہزاروں کہانیاں، واقعات بالکل ہمارے آس پاس نہ صرف نظر آئیں گے بلکہ بیشتر میں ہم نے خود بھی کافی ”حصہ“ ڈالا ہوگا۔ بزرگوں سے محبت تو دور کی بات، ہم میں تو ان کا احترام بھی تقریباً مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ کالج میں، یونیورسٹی میں، اگر کوئی بزرگ استاد پڑھانے آجائے تو ہمارا منہ بن جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اف ان سے ہم کیا پڑھیں گے؟ آپ کے آفس میں بزرگ کام کرتا ہو تو آپ بیزار ہو جاتے ہیں۔ کیا کبھی یہ سوچا ہے کہ آخر بوزھوں سے اتنی بیزاری کیوں؟ ان کے وجود سے اتنا گریز کیوں؟ ان سے اتنی چڑ کیوں؟ یہ بزرگ بھی آپ کی ہماری طرح زندگی جینے کا اتنا ہی حق رکھتے ہیں جتنا کہ ہم، بلکہ میری نظر میں شاید ہم سے کہیں زیادہ۔ کیونکہ ان کے پاس زندگی کا نچوڑ، تجربوں، مشاہدوں کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں جب وہ ہم سے زیادہ اچھا اور بہتر مشورہ نہ صرف دے سکتے ہیں بلکہ زیادہ اچھے طریقے سے مسائل کو سمجھ کر انہیں حل کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، ہم انہیں فالٹو

سامان کی طرح بے کار انسان سمجھ کر ان کو قابل توجہ ہی نہیں سمجھتے۔ ہمیں ان کی باتیں دقیقاً نوسی لگتی ہیں۔ ہم کھل کر اپنے والدین سے نہ صرف اختلاف رائے کرتے ہیں بلکہ انہیں یہ بھی جتا دیتے ہیں کہ آپ چپ رہیں، اباجی! آپ کو آج کے زمانے کا کیا پتا؟ آپ بیچ میں نہ بولا کریں، اماں! آپ کو کیا پتا؟ اس قدر ظالم اور سفاک جملے بولتے ہوئے ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان فراموش کر دیتے ہیں کہ ”وہ برباد ہوا، برباد ہوا، برباد ہوا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے بوڑھے والدین پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔“ ہم بھول جاتے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب ہم بھی عمر کے اس دور میں ہوں گے اور ہماری آنے والی نسلیں کہہ رہی ہوگی ”چپ رہیں آپ کو کیا پتا۔“

ہمارے پاس تعلیم ہے بلکہ جدید تعلیم ہے مگر ہمارے پاس ابھی وہ تجربات و مشاہدات نہیں ہیں جو تعلیم سے نہیں بلکہ عمر سے آتے ہیں۔ تعلیم ہنر سکھاتی ہے مگر اس ہنر کو کس طرح استعمال کیا جائے یہ زندگی کے تجربات سکھاتے ہیں۔ اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے والے ہم نادان نوجوان یہ بھول جاتے ہیں کہ صرف اعلیٰ اور جدید تعلیم سکھانا ہی کامیابی نہیں جب تک آپ کے پاس اس تعلیم کو استعمال کرنے کا شعور نہ ہو اور شعور، تجربہ، کامیابی تھی ممکن ہے جب ہم اپنے بزرگوں سے ان کے تجربات و مشاہدات سنیں، سیکھیں اور پھر ان کی

روشنی میں اپنی تعلیم کو بروئے کار لاتے ہوئے زندگی کے فیصلے کریں۔

لیکن بزرگوں سے کچھ سیکھنا تو درکنار ہم نے تو انہیں اپنی زندگی سے الگ تھلک کرنے کی جیسے قسم کھا رکھی ہے۔ وہ بوڑھے ہیں۔ بزرگ ہیں، تو کیا وہ ایک اچھی نارٹل اور بھرپور زندگی جینے کے حقدار نہیں رہے؟ آپ ذرا سوچیں، آپ کی ذرا سی محبت، ذرا سی توجہ نہ صرف ان کو اس عمر میں جینے کی نئی راہ دے سکتی ہے بلکہ آپ کی زندگیاں بھی خوبصورت بنا سکتی ہے اور ثواب الگ۔ ہمارا مذہب تو اس قدر خوبصورت اور آسان ہے کہ جس میں صرف بوڑھے ماں باپ کو ایک محبت بھری نگاہ سے دیکھ لینے سے ہی ہمارے حصے میں کتنا ثواب لکھ دیا جاتا ہے تو سوچیں، اگر ان کی خدمت، دیکھ بھال کی جائے تو کیوں نہ ہمیں دنیا اور آخرت میں کامیابی ملے اور آپ یقین کریں کہ یہ بوڑھے وجود آج بھی اپنے اندر اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ ان کی ایک آہ ہماری زندگی کو الٹ سکتی ہے اور ایک دعا ہماری زندگی کو پلٹ سکتی ہے۔ تو پھر جس ہستی کا وجود اتنا طاقتور ہو تو کیا ہمیں ان سے پہلو تہی کرنی چاہئے؟ کیا انہیں بوجھ سمجھنا چاہئے؟ چلنے اپنی ہی غرض کے لئے سہی، کیا ان کی خدمت اور دیکھ بھال ہم نہیں کر سکتے؟

اور یہ تو وہ معصوم، شفیق ہستیاں ہیں جن کو بہلا نا، پیار دینا، خیال رکھنا بے حد آسان ہے۔ بالکل ایسے جیسے ایک بچے کو آپ بہلا لیتے ہیں، اسے خوش کر دیتے ہیں، اس کو کسی بڑی چیز کی تمنا یا خواہش نہیں ہوتی۔ وہ تو

ایک ذرا سے کھلونے، یا آپ کے محبت بھرے لمس سے، آپ کی ایک بیشی نظر سے ہی پرسکون اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ ہاں بعض بچے ضدی اور چڑچڑے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ اپنے ماتھے پر ایک بھی شکن لائے بغیر، اس کی ہر ضد پوری کرتے ہیں اور نہ صرف یہ، بلکہ دوسروں کو بھی بہت فخر سے بتاتے ہیں کہ میرا بچہ تو بہت ضدی ہے، اپنی بات منوا کر ہی چھوڑتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ کے لہجے میں ایک احساس تفاخر نمایاں ہوتا ہے۔ آپ اپنے طنے جلنے والوں کو بہت فخر سے بتاتے ہیں، جتاتے ہیں کہ آپ اس قابل ہیں کہ آپ اپنے بچے کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہی ضد کا عنصر یا چڑچڑاپن اگر اپنے بوڑھے والدین یا دادا دادی، نانا نانی میں دیکھیں تو آپ بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کو کہتے ہیں کہ بھئی انہوں نے تو زندگی عذاب کر دی ہے۔ نہ خود چین سے رہتے ہیں نہ ہمیں رہنے دیتے ہیں۔ ایک ہل کو سوچئے، وہ بچہ جس نے ابھی آپ کے لئے کچھ نہیں کیا، آپ کو کچھ نہیں دیا، اس کی خواہشیں اور ضدیں آپ کو کتنی عزیز ہیں، اور وہ بوڑھے ”بچے“ جنہوں نے تمام عمر آپ کو دیا ہی دیا ہے، ان کی ضدیں آپ کو بوجھ لگنے لگیں؟

بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کو مد نظر رکھنے سے آپ اپنے بزرگوں کو نہ صرف ان کی من چاہی زندگی واپس لوٹا سکتے ہیں، بلکہ دعائیں سمیٹ کر اپنی زندگی کو بھی خوشیوں، کامیابیوں

اور طمانیت سے بھرپور بنا سکتے ہیں۔

۱- بزرگوں سے مشورہ لیجیے
اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں اپنے بزرگوں کو نظر انداز مت کریں۔ اس طرح آپ خود وہ بن رہے ہیں ان کی ضد اور چڑچڑے پن کی۔ آپ کا یہ رویہ ہی انہیں ضدی بننے پر اکساتا ہے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے مسائل پر ان سے مشورہ لیں، ان کو شامل کریں۔ ان کو احساس دلائیں کہ زمانہ جتنا بھی بدل چکا ہو یا جدت دور ہو، ان کی باتیں اور مشورے اب بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ ان کی جوانی کے دور میں ہوا کرتے تھے۔

۲- اہمیت کا احساس دلائیں
اپنی باتوں سے انہیں احساس دلائیں کہ آپ زندگی کی موجودہ جس بھی سیزم پر کھڑے ہیں، یہاں تک پہنچنے میں آپ کے بزرگ آپ کے معاون رہے ہیں، ان کے بغیر آپ کچھ نہیں بن سکتے تھے۔ آپ کی موجودہ کامیابی صرف انہی کی مرہون منت ہے۔ جس طرح اپنے بچپن میں آپ ان سے ضد کیا کرتے تھے کہ وہ آپ پر اعتماد کریں کیونکہ آپ ”بڑے“ ہو چکے ہیں، اسی طرح اب آپ کی باری ہے کہ آپ ان پر اعتماد کریں کیونکہ بہر حال آپ کے بڑے وہی ہیں۔

۳- اپنے بچپن کی باتیں کو
بزرگوں کے پاس یادوں کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کو اپنے والدین یا گھر کے کسی بھی بزرگ کے پاس بٹھا کر، بزرگوں سے اپنی بچپن کی باتیں

سنانے کو کہیں۔ زمانہ جدید ہو یا قدیم بچپن سب کا ہی دلچسپ اور بھرپور ہوتا ہے۔ آپ کے بچے نہ صرف لطف اندوز ہوں گے بلکہ ان کے اور بزرگوں کے درمیان ایک لطیف سا رشتہ بنے گا۔ بزرگوں کو بھی احساس ہوگا کہ ان کی یادیں اور باتیں سننے والے آج بھی ہیں اور بچے بوڑھوں سے دوستی کا رشتہ استوار کر لیں گے۔ یوں بزرگوں اور نوجوانوں کے بیچ دوری اور فاصلہ کم ہوگا۔

۴- خاندانی تقریبات

میں شمولیت

اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی گھرانے کو شادی پر جانا ہو تو گھر کے افراد اپنے بزرگ چاچا، دادا، نانی اور تو اور ماں یا باپ کو بھی گھر چھوڑ جاتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ آپ تھک جائیں گے، بور ہو جائیں گے۔ بظاہر آپ کے بزرگ منہ سے کچھ نہ کہیں، یا آپ کا دل رکھنے کو کہہ دیں کہ ہم وہاں جا کر کیا کریں گے بیٹا آپ لوگ جاؤ اور آپ مطمئن ہو کر چلے بھی جاتے ہیں۔ رکیے! سوچئے ذرا اس جملے کی گہرائی اور دردناک حقیقت۔ ”ہم وہاں جا کر کیا کریں گے۔“ ایسا کیوں؟ یہ نوبت کیوں آگئی کہ ہمارے عزیز بزرگ، ایسا کہنے پر مجبور ہو گئے۔ کیا اب ان کے کرنے کو کچھ نہیں رہا؟ کیا وہ اتنے بے کار، غیر ضروری ہو چکے کہ ان کا کسی تقریب میں جانا تک ضروری نہیں۔ جن اولادوں، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی پیدائش پر ان کی خوشی دیدنی تھی۔ کیا ان کی شادیوں میں شامل ہونے کے بھی وہ حقدار

نہیں رہے؟ صرف اس لئے کہ وہاں آپ سب لوگ اپنے ہنگاموں میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ ان کو بیکس فراموش کر دیا جاتا ہے۔ یا اگر ساتھ لے بھی جائیں تو کسی خالی کونے میں بٹھا کر اپنی بیچے ان کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں تاکہ آپ خود آرام سے تقریب میں گھومیں پھریں، اور وہ آپ کے بچوں کے بچوں یا سامان کی حفاظت کے لئے ایک چوکیدار کی طرح بیٹھے رہیں۔ آپ انہیں ساتھ لے کر جائیں، انہیں سب سے آرام دہ اور نمایاں جگہ پر بٹھائیں تاکہ وہ سب طرف دیکھ سکیں۔ اپنے آپ کو ماحول سے الگ نہ سمجھیں، بزرگوں کے لیے اہتمام سے کھانا لگوائیں اور تمام لوگوں سے انہیں ملوائیں اور سب کو احساس دلائیں کہ اس تقریب میں آپ اپنے بزرگوں کے ساتھ آئے ہیں اور بزرگ آپ کے ساتھ۔

۵۔ گھر میں انہیں

مصروف دکھیں

مصروفیت سے کئی لوگ یہ مطلب نہ لیں کہ ان سے گھر کے کام کروانا، اس نازک عمر میں ان کے کمزور کندھوں پر بوجھ ڈالنا ہے بلکہ ایسے تفریحی اور دلچسپ کاموں میں ان کو مصروف رکھیں کہ وہ اپنے آپ کو ناکارہ یا آپ پر بوجھ نہ سمجھیں۔ خواتین گھریلو امور پر ان سے چھوٹے چھوٹے مشورے لے سکتی ہیں۔ پرانے زمانے میں پکائے جانے والے سادہ مگر لذت سے بھرپور کھانوں کی تراکیب پوچھ کر پکا سکتی ہیں تاکہ منہ کا ذائقہ بھی تبدیل ہو اور پرانی روایات بھی زندہ

رہیں اور کم خرچ بالا نشین والا معاملہ بھی ہو جائے۔ کیونکہ پرانے وقتوں میں نہایت سادہ غذا کھائی جاتی تھی جو نہ صرف لذیذ بلکہ حفظانِ صحت کے تقاضے بھی پورا کرتی اور کم خرچ بھی ہوتی۔ مرغن کھانے، بدیسی تراکیب معدے کے ساتھ ساتھ، جیب پر بھی بھاری پڑتی ہیں۔ یوں آپ کو بھی سہولت ہوگی اور بزرگوں کی رائے کو اہمیت دے کر آپ ان کا کھویا ہوا اعتماد بھی بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نہ ہی انہیں یہ شکوہ رہے گا کہ اب باروچی خانے میں ان کی ضرورت نہیں رہی۔ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کو باور کرائیں کہ مہینے میں دو چار دفعہ کھانا بزرگوں کی پسند اور مرضی کا ہی کپے گا۔ یوں بوڑھی خواتین بھی راضی اور آپ کے اہل خانہ بھی آسان اور سستے کھانے پکا کر اور کھا کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔ اگر بزرگ حضرات آپ کے من پسند چٹ پٹے مرغن کھانے کھا کر اپنا گزارہ کر سکتے ہیں، حالانکہ ان کا کمزور معدہ اور نظام ہضم اس کی اجازت نہیں دیتا، پھر بھی وہ یہ سب کرتے ہیں صرف آپ کے لئے، تو کیا آپ مہینے میں چند ایک دفعہ ان کی بتائی ہوئی من پسند غذا نہیں کھا سکتے؟ جس میں فائدہ بھی سراسر آپ کا ہی ہوگا۔ وقت اور پیسے کی بچت الگ اور ہمارے بوڑھے بیچے بھی خوش ہو جائیں گے اور آپ کو کچھ زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

اپنے بچوں کے لئے بھی تو مائیں سارا سارا دن باروچی خانے میں گھسی، نت نئی

ڈشیں تیار کرتی رہتی ہیں۔ تو بوڑھوں کی فرمائش پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر عمر کے اس دور میں وہ کس سے فرمائش کریں۔ ان کا تو سب کچھ اب آپ ہی ہیں۔ ان کے اپنی والدین تو اب رہے نہیں، وہ آپ سے ہی اپنی تمام امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ جیسے اپنے بچپن میں آپ ان سے کرتے تھے۔

۶۔ ذہنی اور جسمانی صحت

آپ سب اپنی اپنی زندگیوں کی بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں، اس ترقی یافتہ دور میں ہر کام جلدی جلدی انجام دیا جانے لگا ہے، وقت کسی کے پاس نہیں، عجب افراتفری کا دور ہے۔ لیکن زمانہ کوئی بھی ہو، اپنے پیاروں کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے آپ، جتنے بھی تھکے کیوں نہ ہوں، اپنے بچوں کو سیر پر لے جانے کا وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ لیکن اپنے بزرگوں کے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہیں حالانکہ ضروری نہیں کہ آپ سارا دن ہی ان کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ ان کو خوش کرنے اور خیال رکھنے کے لیے وقت کی نہیں، ذرا سی نرم مسکراہٹ، توجہ اور ہلکی پھلکی باتوں کی ہی بس ضرورت ہے۔ آپ اپنے آفس کا کوئی کام کر رہے ہیں، تو آپ اپنی فائلیں اور کاغذات لے کر الگ تھلگ، یا اپنے کمرہ میں بیٹھنے کے بجائے ان کے پاس آ کر بیٹھ جائیں۔ یقین جائیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کام آپ کے لیے کس قدر ضروری ہے، وہ کبھی آپ کو ڈسٹرب نہیں کریں گے، ان کے لیے تو یہی خوشی بہت ہے کہ آپ آ کر ان کے پاس بیٹھے ہیں۔ یاد

کریں، جب آپ اپنے بچپن میں اپنے اسکول کے کام، یا پرچوں کے لیے جاگا کرتے تھے، تو آپ کے والد یا ماں، آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے تاکہ آپ کو اکیلا پن محسوس نہ ہو اور آپ زیادہ مستعدی اور دل لگا کر پڑھائی کر سکیں۔ اسی طرح آج بھی وہ آپ کا ساتھ دیدیں گے۔ آپ کا ان کے پاس بیٹھنا ہی کافی ہوگا، آپ ان سے کہیں کہ وہ آرام سے لیٹ جائیں یا آپ انہیں کوئی اخبار یا رسالہ تھمادیں، یوں ماحول میں خوبصورتی، تسلسل اور یکسوئی پیدا ہو جائے گی۔ یاد رکھیں، ماں باپ یا بزرگوں کا وجود کبھی بھی ہمارے لیے باعث اذیت تھا نہ ہو سکتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر کام کرنے سے آپ خود کو مزید ہشاش بشاش تازہ دم اور توانا محسوس کریں گے۔

۷۔ ہلکی پھلکی جدید

تکنالوجی سکھائیں

آپ کے بزرگوں نے تمام عمر زندگی کا سفر بہت قابلیت، سمجھ بوجھ اور ذہانت و محنت کے ساتھ طے کیا ہے۔ اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ آج کل کے جدید نظام کو وہ نہیں سمجھ پائیں گے تو یہ آپ کی بھول بھی ہو سکتی ہے۔ انہیں کمپیوٹر یا موبائل فون کا استعمال آسان طریقے سے سمجھائیں۔ انٹرنیٹ کی دنیا تہائی کی اچھی ساٹھی ثابت ہوتی ہے اور اب تو اردو زبان کے بھی سافٹ ویئر اور ویب سائٹس موجود ہیں جہاں ہر طرح کا تفریحی اور معلوماتی مواد موجود ہوتا ہے۔ یہ یقیناً ان کے لیے دلچسپ اور بھرپور وقت گزاری کا سبب بن سکتا ہے۔

۸۔ گھر کی بنکوت اور

بیت الاخلاء کی سہولت

بعض گھروں میں اونچے نیچے فرش ہوتے ہیں یا کسی کمرے اور برآمدے میں آنے جانے کے لیے دو یا تین سیڑھیوں کا استعمال کیا جاتا ہے جن گھروں کے کمرے اور نیچے بنے ہوں وہاں عموماً ایسی بناوٹ دیکھنے میں آتی ہے۔ کوشش کریں کہ بزرگوں کو ایسا کمرہ رہائش کے لئے دیں جہاں کا فرش برابر سطح کا ہوتا ہو تاکہ ان کو ٹھوکر لگنے یا گرنے کا خدشہ نہ ہو۔ جتنا ممکن ہو ان کے آرام کا خیال رکھیں۔ بیت الاخلاء میں اگر کوڑا نہیں بھی ہے اور آپ زیادہ خرچے کے متحمل نہیں ہو سکتے تو بازار میں بنی بنائی کرسیاں نہایت مناسب نرخ پر مل جاتی ہیں جو بالکل کوڑا کا ہی کام دیتی ہیں اور صفائی کرنے میں بھی آسان ہوتی ہیں وہ لا کر رکھ دیں اور بیت الاخلاء میں انہیں تنہا نہ چھوڑیں۔ بلکہ خاص تاکید کر دیں کہ آپ دروازے کے باہر ہی موجود ہیں وہ اندر سے کنڈی نہ لگائیں اور جہاں کوڑا یا کرسی رکھنے کی جگہ ہو اس دیوار پر ایک لوہے کا اسٹینڈ ضرور لگوا دیں تاکہ اٹھتے بیٹھتے وقت وہ باسانی اس کا سہارا لے سکیں اور گرنے کا احتمال نہ رہے۔

۹۔ فریبی اور طبی سہولیات

آپ جہاں اپنا فون رکھتے ہیں یا سائیڈ ٹیبل پر، جو جگہ آپ کے اور ان کے قریب ترین ہو، وہاں ڈاکٹر کا نمبر لکھ کر لازمی رکھیں یا ان کے کمرے، بستر کے ساتھ والی دیوار پر چسپاں کر دیں تاکہ خدا خواستہ ایمر جنسی کی

صورت میں آپ یا وہ خود فوراً قریبی ڈاکٹر کو فون کر سکیں۔ گھر میں بھی ایک میڈیکل باکس (فرسٹ ایڈ) بنا کر رکھیں اور دھیان رکھیں کہ طبی امداد کا ڈبہ آپ کی پہنچ کے قریب ترین اور بچوں کی پہنچ سے دور رہے۔

اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے عوامل

آپ کے ان معصوم بوڑھوں کو زندگی کی نئی حرارت دے سکتے ہیں۔ اخبارات و رسائل کے کوڑے، پزل، مختلف قسم کے کھیل جیسے لوڈو، کیرم، ریڈیو سنٹا، خبریں دیکھنا، انہیں گھر کے فالتو چھوٹے غیر آرام دہ کمرے کے بجائے گھر کا بہترین حصہ رہنے کو دیں۔ تاکہ انہیں احساس رہے کہ ابھی زندگی کے خوبصورت ترین دور کی شروعات ہوئی ہے۔ یہ زندگی کا اختتام نہیں ہے بلکہ پوری زندگی کی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ کے بعد، سکون سے بیٹھ کر زندگی سے لطف اندوز ہونے کا وقت ہے۔ تمام عمر انہوں نے آپ کو اپنا وقت، پیسا، محبت دی ہے اور بدلے میں آپ سے نہ پیسا مانگا ہے نہ عیش و آرام۔ صرف تھوڑی سی محبت اور توجہ، جس کے وہ حقدار ہیں۔ تھوڑا سا وقت بالکل اتنا ہی جتنا آپ موبائل پر ادھر ادھر فضول پیغامات بھیجنے پڑنے پر لگا دیتے ہیں، اس سے بھی کم وقت آپ اپنے ان ننھے ننھے پیارے بوڑھے بچوں کو دیں، تو یقین کریں آپ کی زندگی بھی خوشیوں اور کامیابیوں سے بھرتا ہوگی، اور آخرت کی کامیابیوں کا نہ تو شمار نہ حساب کہ یہی سچے آپ کو جنت میں لے جائیں گے۔

□□□

مسلمانوں کیوں میں ارتداد کا فتوہ

کرے گی اور عملی طور پر اپنے حصے کا فرض بھی انجام دینے کی نیت کرے گی۔

ملی اور مذہبی تنظیمیں، مساجد اور مدارس سبھی کے لئے وہ وقت آچکا ہے کہ وہ کھلے طور پر ان سازشوں کے پردے اتارنا شروع کریں جہاں کہیں سے بھی لوگوں تک اپنی بات پہنچانے اور سمجھانے کے مواقع دستیاب ہوں ہر اس جگہ اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کام کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ بڑے پلیٹ فارم سے جو باتیں کی جاتی ہیں ان کا اثر بھی بڑا ہوتا ہے۔

عوام کو ایسی سازشوں سے واقف کرائیں، اس کریمہ اور سنگین مسئلہ کے اسباب و نتائج کے ساتھ اس کا علاج بھی بتلائیں اور اس کام میں کسی قسم کا تردد نہ برتیں۔ اگر ہماری ایک بچی کا مذہب اور اس کی عزت و حیثیوں کے ہتھے چڑھتی ہے تو یہ بات جان بوجھ کر جنگل کی آگ کی طرح پھیلائی جاتی ہے تاکہ مسلمان ننگ و عار کے جذبولوں میں دن رات جھلستے رہیں، انتقامی کارروائی پر آمادہ ہوں اور مشتعل ہو کر قانون کو اپنی ہاتھوں میں لیں۔ سمجھنے والی بات ہے کہ اگر لوگ ہماری عزتوں سے کھیلنے کے درپے ہو جائیں تو اس کے محافظ کی کیا محض ہاتھ باندھ کر مودبانہ کھڑے رہیں گے اور اس بے حیائی اور ارتداد کے سیلاب کے لئے کھل کر بات بھی نہیں کریں گے۔

سیریلز کا دور بہت پرانا ہوا، اسارٹ فون نے کیبل اور ڈش ٹی وی کا بزنس بھی ٹھپ کر دیا ہے۔ اب بڑی بوڑھیوں کے سوا

کرنے والے کو بھی فراموش کر دیا ”کوئی مجھے پھر سے میری شہزادی لا کر دے دے میرے آنگن کی وہ چڑیا جو اپنا راستہ بھول گئی ہے اسے کوئی میرے گھر کا در دکھا دے۔“

یہ آواز کسی ایک گھر کی صدا نہیں، ہندوستان کے ہر دوسرے مسلمان گھر سے اٹھتے نالے ہیں۔ بیٹیوں کے متعلق سر پرستوں کی اس تکلیف وہ حالت کا اندازہ لگانا بھی اب مشکل ہو گیا ہے جس کرب سے وہ اپنی زندگی میں دوچار ہوتے ہیں۔ آج کی ہر دوسری خیر بھی ہوتی ہے کہ فلاں بچی غیر مسلم کے ساتھ فرار ہو گئی، کورٹ میریج کر لیا یا بچی کو اغواء کر کے اس کی تبدیلی مذہب کے ساتھ ساتھ زبردستی اس کی شادی کرادی گئی وغیرہ وغیرہ۔ بچیاں تو درکنار خواتین تک کے واقعات سے میڈیا بھرا بڑا ہے۔ تو اب کیا کریں؟ ہر خبر کی طرح اسی خبر کو بھی اسکرول ڈاون کریں اور آگے بڑھ جائیں یا اپنا حاسبہ کریں بحیثیت مسلمان جس سینے میں غیرت کی ہلکی سی بھی رتق ہوگی وہ ان واقعات پر استغفار پڑھتے ہوئے گزرنے کے بجائے استغفار کے ساتھ اللہ سے حالات کی سنگینی سے نکلنے کی دعا بھی

کچھ درد ہیں جو میرے نہیں ہیں لیکن پھر بھی مجھے رلاتے ہیں، کچھ آبلے ہیں جو اوروں کے پاؤں میں ہیں لیکن ان کی سوزش مجھے بے چین رکھتی ہے، کسی اور کی بے روائی مجھے اپنے آپچل میں منہ چھپا کر شرمانے پر مجبو رکرتی ہے، عفت و عصمت کے اٹھتے ہوئے جنازوں پر میں بے آواز بین کرتی ہوں لیکن کوئی میرا پرسان حال نہیں ہو سکتا۔ ”ایک دو زخم نہیں سارا بدن ہے چھلٹی“ یہ روشن خیال کہتے ہیں کہ شیخ روشن ہو رہی ہے..... میں کہتی ہوں وہ تو پھل رہی ہے اور رفتہ رفتہ لحو لحو میرا دل، میرا گھر، میرا سماج سب کچھ اندھیرے میں ڈوبا جا رہا ہے۔

وہ جو آنکھوں کا نور، کلیجے کی ٹھنڈک، باپ کا غرور اور بھائیوں کا مان ٹھی، جانے یہ بات کب اس کے دل میں سا گئی کہ وہ اس زمین پر، ہم پر، ہمارے سماج پر ایک بوجھ ہے اور ساری زندگی اپنی زندگی سے جڑے ہوئے لوگوں کا بھی بوجھ اسی کو ڈھونڈتا ہے۔ انہی ساری الجھنوں سے ننگ آ کر آہستہ آہستہ وہ ہم سب سے دور چلی گئی ہے اتنی دور کہ اس تک ہماری صدا بھی نہیں جاتی۔ اس نے اپنے پیدا

سیریلز کوئی نہیں دیکھتا، اب تو دیب سیریز کا دور ہے۔ بنا کسی سینر کے جو کچھ بھی دکھانا ہو وہ دیب سیریز پر بغیر کسی رکاوٹ کے ممکن ہے، دو منٹ اور پانچ منٹ کی شارٹ فلموں اور ویڈیوز کے ذریعہ یہ بات لوگوں میں راسخ کی جا رہی ہے کہ انٹراکٹسٹ میر سبجر انسانی نظام اور انسانی رشتوں کی ایک خوبصورت شکلیں ہیں لہذا اس میں کوئی حرج نہیں، محبت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، ہر انسان کے جسم میں پہنے والا ہوا ایک جیسا ہوتا ہے، اس کے جذبات اس کے خوشی اور غم کے رنگ ایک جیسے ہوتے ہیں، ہونٹوں کی ہنسی اور آنکھوں سے پہنے والے آنسو تک ایک جیسے ہوتے ہیں۔ پھر دو محبت کرنے والوں کے درمیان یہ مذہب کی دیوار کیوں؟ یہ اٹریکٹیو فلمیں نوجوانوں میں مقبول بھی ہیں اور نتائج خیر ثابت بھی ہو رہی ہیں تو اس صورتحال میں اس زہر کا کوئی تریاق ہمیں بھی دریافت کرنا چاہئے یا نہیں؟ جس سطح پر اسے ماسٹڈ ڈیپورٹنگ ویڈیوز تیار کئے جاتے ہیں اتنے نہ سہمی اس سے کمتر ہی سہمی اصلاحی اور تعمیری ویڈیوز بنائے جانے چاہئیں۔ اپنی میڈیا اور تمام ذرائع ابلاغ کا موثر استعمال کرنا چاہئے۔ اسلامک چینلز اور میڈیا سے جڑے ہونے باصلاحیت لوگ آگے آئیں اور ایسے ویڈیوز کے جوابی ویڈیوز تیار کریں جن میں ہر اس خسارے کی عکاسی کی جائے جسے دشمنان اسلام نے منفعت کی صورت میں پیش کیا ہے۔ بچوں کے گھر سے قدم نکالنے

کی وجہ سے جو قیامت گھروالوں پر آتی ہے اس کی عکاسی کی جانی چاہئے کیونکہ جذبات کو جذبات سے ہی موڑا جاسکتا ہے۔ والدین اور سرپرست ہی نہیں آپ کے اس مسلمان بچے کی فکر کریں جو آپ کے قریب ہے، ورنہ والدین بچاروں کو تو سب سے آخر میں پتہ چلتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا قیامت گزر گئی، بقیہ پوری دنیا بچوں کے کارناموں سے محظوظ ہوتی رہتی ہے۔ رہی یہ سوچ کہ تماشہ دیکھو اور وقت آئے گا تو خود ہی پردہ کھلے گا ابھی سے والدین کو آگاہ کر دیا تو مزہ خراب ہو جائے گا تو پھر سے سوچ لیجئے! ایک مسلمان اور اس کی عزت کی حفاظت دوسرے پر فرض ہے اس لئے ذاتی اغراض و مقاصد اور اپنے دل کے داغ پھوڑنے کی خاطر ملت کی بدنامی کا ذریعہ نہ بنیں۔ جوں ہی کسی بچے کا فساد دیکھیں والدین، سرپرست کو خود جا کر آگاہ کریں ان کی ناراضگی اور ملامت کی پرواہ کئے بغیر، ان شاء اللہ قیامت کے دن اللہ آپ کو عزتوں سے مالا مال کرے گا۔ اور جب آج بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ہر کسی کے ہاتھ میں ایک عدد اسمارٹ فون موجود ہے تو اس کے بارے میں بھی کچھ سنتے چاہئے۔ میوزیکلی، ٹک ٹاک، لائک، میڈلپس جیسے کئی اور دوسرے ایپلیکیشنز ہیں جنہوں نے فاشی اور اباحت کے لاکھوں دروازے Fun کے نام پر کھول رکھے ہیں اور کئی مسلمان بچے بچیاں گھر کے بند دروازوں میں اپنی ویڈیوز بناتے ہیں اور

انہیں وائرل کر گھر بیٹھے بیس سے بچپس ہزار ماہانہ کما رہے ہیں۔ ایزی منی کی وجہ سے عفت و عصمت کے آئینل کا ڈھلک جانا بھی بہت ایزی ہو چکا ہے۔ کالج ہو یا کلاس روم، بیڈروم ہو یا سڑک ہر جگہ یہ آزاد پنچھیوں کی طرح ویڈیو بنائے چلے جا رہے ہیں اور انہیں بھلس کرنے پر پیسے بھی آرہے ہیں جتنے زیادہ ویڈیوز اتنے زیادہ پیسے۔ جب ہر طرف ہریالی ہو تو ایسے میں قید و بند کی زندگی بھلا کیسے اچھی لگتی ہے۔ ایسے ویڈیوز وائرل کرنے اور کروانے والوں کا تناسب آستی فیصد ہے اور وہ بھی سارے کے سارے مسلمان کم عمر نوجوان ہیں۔ جوانی کا مرحلہ ہارمون جینز کا مرحلہ ہوتا ہے، ہارمونز کے سیلاب میں پھنسے ہوئے خارجی دنیا کی چکا چوند سے مرعوب، گھر میں عزت و احترام اور محبت کو ترسے ہوئے بچوں کو گمرانی کے ساتھ کونسلنگ کی اشد ضرورت ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی ان کو گائیڈ کرے ان کی غیر ضروری مصروفیات اور لہو و لہب کا متبادل فراہم کرے۔ انہیں ان کی ذات کی معرفت دی جائے، بحیثیت مسلمان انہیں ان کی شخصیت کے قوار اور عظمت سے واقف کرایا جائے تاکہ مذہب انہیں قید نہ لگے بلکہ وہ اپنے مذہب سے محبت کرنے اور فخر کرنے والے بنیں۔ انہیں ایسی تعلیم و تربیت اور وہ پختہ سوچ دی جائے جس سے ان کا کانفیڈنس لیول بلڈاپ ہو۔

(بقیہ..... صفحہ..... 41..... پر)

ریاست مدینہ کی خصوصیات

کچھ پر امن طور پر بلاخون خرابے کے ہوا اور ۲۷ غزوات اور ۵۳ سرایا میں صرف چند سو انسان دو طرفہ کام آئے تو انسانی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس ساری انقلابی جدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر تاریخ انسانی میں کوئی حقیقی انقلاب برپا ہوا ہے تو فقط یہی انقلاب ہے باقی جو کچھ ہے وہ ساری کھٹکشی اقتدار اور خون خرابے کی داستان ہے۔۔۔۔۔

اس سے پہلے کہ ہم مدینہ کی عظیم الشان اسلامی ریاست کے قیام کی تدابیر اور اسلامی نظام کے اجراء کی حکمتوں اور مختلف جہتوں پر بحث کریں خود اسلامی ریاست کی بعض خصوصیات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہاں عازہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ صرف چند برسوں میں ایسا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دینا کتنی زبردست جدوجہد، بصیرت، تدبیر، حکمت، دانش اور بے نظیر رہنمائی اور قیادت کا نتیجہ ہے۔ یہ انقلاب انسانی تاریخ میں اب تک منفرد واقعہ ہے جیسے کہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا نے لکھا ہے: ”یہ وہ کامیابی ہے جو آپ سے قبل کسی دور میں بھی کسی دینی معلم کو حاصل نہ ہو سکی تھی۔“

حقیقت یہ ہے کہ اس کی نظیر بھی نوع انسان زمین پر آج تک پیش نہیں کر سکے ہیں۔ ایک فرد نے قوم اٹھ کر اپنی بات کہتا ہے۔ پوری قوم مزاحمت کرتی ہے اور ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اس کے پیش کردہ نظریے کے عین مطابق افراد ڈھل جاتے

کسی دوسرے گروہ کے مسلط ہوجانے سے انسانیت کی قسمت میں وہ کون سا تغیر واقع ہوجاتا ہے جس کی بنا پر اسے انقلاب کہا جاسکے۔ البتہ ایک ایسی جدوجہد جس کے نتیجے میں پرانا، بد اخلاق اور بد کردار انسان یکسر نئے پابند اخلاق انسان کا روپ دھار لے۔ قدیم رسوں اور عصبیتوں کا مارا ہوا اور اخلاقی خرابیوں میں طوٹ انسانی معاشرہ سارے بوجھ اُتار کر سیدھا سادا خدا پرست، شریف اور پابند اخلاق معاشرہ بن جائے جس میں خداترسی، ہمدردی، اخوت، مساوات، مسؤلیت، آخرت کی جوابدہی، نیکی اور خیر خواہی کی قدریں جاگزیں ہوجائیں۔ ظالم اور جابر حکام کے بجائے خداترس اور نیک حاکم کا ٹھنڈا سایہ انسانوں کو میسر آجائے اور جانب دارانہ، سنگدلانہ اور متعصبانہ قوانین کے بجائے مساوات انسانی پر مبنی غیر جانب دارانہ، خداترسانہ اور رحمدلانہ قوانین انسانوں میں رائج ہوجائیں، تو اس کو حقیقی طور پر انقلاب کہا جاسکتا ہے۔ پھر جب یہ بات معلوم ہو کہ یہ کام صرف ۲۳ برسوں کی مختصر مدت میں ہو گیا تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر جب مزید یہ پتا چلے کہ یہ سب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانیت کی ۲۳ سالہ قلیل ترین مدت میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا وہ اپنی نوعیت، کیفیت، جدوجہد اور نتائج کے اعتبار سے اتنا حیران کن ہے کہ اس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں موجود نہیں ہے۔ جب ہم اس انقلاب کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو حقیقتاً اس کے سوا کسی دوسرے انقلاب پر لفظ انقلاب کا اطلاق ہی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات کہی جائے کہ اب تک انسانیت کی تاریخ صرف ایک ہی حقیقی انقلاب سے آشنا ہوئی تو یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہے اور نہ اس کا انکار آسان ہے۔ اس لئے کہ اب تک دنیا میں انقلاب کا مفہوم صرف اسی قدر سمجھا جاتا ہے کہ انسانوں پر غالب اور مسلط، پہلے اقتدار کو بے دخل کر کے ایک دوسرا اقتدار ان پر مسلط کر دیا جائے۔ یہ کام جس قدر اچانک ہو اور اس میں جس قدر زیادہ خون خرابہ ہو اسی قدر بڑا انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ فساد فی الارض، ہلاکت انسانی، ضیاع جان و مال و عزت و آبرو، انسانی بستیوں کی بربادی اور ظالموں کے ایک گروہ کے بعد ظالموں کے ہی

ہیں۔ معاشرہ بدل جاتا ہے۔ قوانین کا اجراء ہو جاتا ہے۔ تصورات و اخلاق و کردار اور معیشت و معاشرت و سیاست و تہذیب و تمدن سب بدل جاتے ہیں۔ اس انقلاب سے ۲۵ سال پہلے کا انسان یکبارگی قبر میں سے اٹھ کر اگر واپس اس سر زمین میں آتا تو اس بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر کبھی باور نہ کر سکتا کہ وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ عالم بیداری میں ایسا عظیم الشان تغیر انسانی زندگی میں دیکھ رہا تھا اور وہ واقعی اس سر زمین میں واپس آیا تھا جس سے وہ رخصت ہوا تھا۔

یہ اسلامی ریاست جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اپنی زبردست جاں نسیں سے قائم کی، ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی۔ یہاں اس کی بیش بہا خصوصیات میں سے چند ایک کا ذکر نہایت ضروری ہے۔

۱- اس ریاست کی بنیاد ایک ایسے معاہدے پر رکھی گئی تھی جو پہلے ایک شخص اور ایک شہر کے باشندوں کے درمیان طے پایا تھا اور انہوں نے برضا و رغبت اسے سارے معاملات کا سربراہ اور ذمہ دار تجویز کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت (عقبہ) کی تھی۔ اگر کوئی معاہدہ عمرانی نامی شے کسی جگہ واقع ہوئی تھی تو وہ بھی معاہدہ تھا جس کے تحت ایک جگہ کے باشندوں نے اپنی آزاد مرضی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سربراہ تجویز کیا۔ گویا یہ ریاست خالص عوامی رضامندی اور معاہدے پر قائم کی گئی تھی۔

۲- اس ریاست کی ایک اور خصوصیت اس کا ایک تحریری دستور تھا۔ یہ ایک خالص دستوری اور آئینی ریاست تھی جس میں اس کے باشندوں کے حقوق و فرائض کی واضح تعین و تقسیم کی گئی تھی۔ غالباً یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جو مدینہ کی ریاست کے ذریعے وجود میں آیا تھا۔

۳- یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی کیونکہ اس کی بنیاد نسل، علاقہ، زبان، قبیلہ یا معاشی اور سیاسی مفادات کے کسی اشتراک پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ چند اصولوں کی حفاظت اور ان کے اجراء کے لئے یہ ریاست وجود میں آئی تھی۔

۴- اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ ایک جامع تصور زندگی پر قائم ریاست تھی جو انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو منظم کرتی اور انہیں ایک سمت بندگی رب کی طرف موڑتی تھی۔ وہ عبادات سے معاملات تک انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط تھی۔

۵- دنیا میں پہلی بار دین و سیاست کے حسین امتزاج پر مبنی یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔ رسول ہی اس ریاست کا سربراہ تھا۔ وہی فوجوں کا کمانڈر تھا اور وہی نمازوں کا امام تھا۔ وہی عمال کا نگران تھا اور وہی الٰہی تعلیمات پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ محراب و منبر اور دربار و دفتر کے اس امتزاج و اجتماع نے انسانی زندگی کی تقسیم کو ختم کر کے اسے ایک اور متوازن وحدت میں بدل دیا تھا جس سے انسان کے بے شمار بوجھ اتر گئے تھے۔

۶- یہ ایک جمہوری اور شورائی ریاست

تھی جس میں سارے کام مشورے سے طے ہوتے تھے۔ چونکہ خدائی حکم یہی تھا کہ سارے کام مشورے سے طے کئے جائیں، "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" "ان سے معاملات میں مشورہ کرو" اور "وَأْمُرْهُمْ بِشُورَىٰ يَبِينُهُمْ" ان کے امور آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ کے مطابق صلح و جنگ، داخلی اور خارجی معاملات سب کے سب مشورے سے طے پاتے تھے اور ساری پالیسیاں باہمی مشورے سے ہی مرتب ہوتی تھیں۔ حریت فکری، مساوات انسانی، عدل اجتماعی اور جمہوریت، ان الفاظ کی روح کے مطابق ان کا پورا پورا اہتمام تھا۔ ہر قسم کی غلامی سے آزادی کا منشور وہ انقلابی کلمہ تھا جو اس ریاست کے بنیادی نظریہ کا ترجمان تھا۔ مساوات انسانی، وحدت انسانیت اور اخوت پر قائم تھی۔ قانون سے بالاتر خود سربراہ مملکت کی ذات بھی نہ تھی۔

۷- یہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست تھی جس کے ذمے خدمت انسانیت اور کفالت رعایا تھی۔ اس ریاست میں کوئی گداگر نہ تھا۔ اس کے سربراہ کا اعلان تھا کہ جو مقروض فوت ہو جائے اس کا قرض ریاست کے ذمے ہے اور جو وراثت چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کی ہے۔ روزگار کی ضمانت اور معاشی کفالت کا اہتمام ریاست کے ذمے تھا۔

۸- یہ ریاست اپنے اجتماعی امور میں خدا کے سامنے جواب دہ تھی اور اس کی تمام پالیسیاں اور قانون سازی خدا کی اتاری ہوئی ہدایات کے مطابق طے پائی تھیں۔ اس

فروری 2019

ریاست کا فرد فر داس امر سے سرشار تھا کہ وہ خدا کے سامنے جواب دہ تھا اور اسی احساس کے تحت پوری ریاست کے باشندوں میں ذہنی مطابقت اور جذباتی ہم آہنگی موجود تھی۔ درحقیقت یہ کوئی غیر مسئول ریاست نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت خدا کے سامنے ایک ایسے جواب دہ ادارے کی تھی جو خدا کی نیابت کرتا تھا۔ اسی لئے اسے خلافت سے تعبیر کیا گیا تھا۔

۹- اس ریاست کا تصور حاکمیت دنیا کی تمام ریاستوں سے مختلف تھا۔ اس کی حاکمیت نہ عوام کی تھی، نہ سربراہ مملکت کی، نہ کسی خاندان کی اور نہ کسی ادارے کی بلکہ اس کی حاکمیت کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے تھا۔ وہ اس کا حقیقی اور مستقل حاکم اعلیٰ تھا جو ازل سے ابد تک حی و قیوم اور عظیم و خبیر ہے اور جو ہر لمحہ اپنے بندوں کا نگران اور کفیل ہے، اور جو اپنی مخلوق کا تہا و احد حاکم ہے، باقی سب اس کے محکوم ہیں۔ اس نظریے نے ریاستوں کے نظریہ حاکمیت میں انقلابی تبدیلی کر دی۔

اس سے ایک ایسی بے لاگ مساوات اور ایک ایسا بے لوث انصاف قائم ہو گیا جس کی نظیر کسی دور اور کسی معاشرے میں ممکن نہ تھی۔

۱۰- اس ریاست کی ایک مستقل کتاب ہدایت تھی جو خود قانون اور ماخذ قانون تھی اور ہر نزاع میں آخری اتھارٹی شمار ہوتی تھی۔ اس نوعیت کی ریاست کے لئے تاقیامت یہ کتاب ہدایت تھی جسے قرآن کہا گیا تھا اور جس کا ایک ایک لفظ حاکم اعلیٰ کا فرمایا ہوا اور ناقابلِ تغیر تھا۔ وہ اس ریاست کی مستقل

کائیڈ بک، بنیادی قانون اور دستور تھی۔

۱۱- اس ریاست کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد خدا کے باغیوں کی سرکوبی تھا، نیز طاغوت کی مکمل نفی کر کے، دنیا کے تمام باغی انسانوں، ریاستوں، اداروں اور گروہوں کو خدا کی بندگی کی طرف لانا اور ایمان باللہ کو زمین کے آخری کناروں تک پہنچانا اس ریاست کا مقصد اولین تھا۔ اس طرح یہ ریاست ایک عالم گیر دعوت انقلاب کی داعی ریاست تھی اور اس کا قیام تمام دنیا کے طاغوتوں اور خدا کے نافرمانوں کے لئے ایک مستقل چیلنج تھا۔

۱۲- یہ ریاست ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھی جو اپنے باشندوں کو ایک مخصوص اخلاقی سانچے میں ڈھالنے کا اہتمام کرتی تھی۔ اس کا تصور انسان و کائنات اس کی تعلیم کے ہر گوشے میں پیوست تھا اور اس تصور کی روشنی میں وہ اپنے تمام باشندوں کو تعلیم دیتی اور ان کے کردار کے مطابق ڈھالتی تھی جس سے خدا ترس اخلاقی کردار وجود میں آتے تھے۔ یہ ریاست مادی اشیاء سے زیادہ انسانوں پر توجہ دیتی تھی اور اس کے نزدیک ہر شے سے زیادہ انسان کی قدر و قیمت تھی۔ اس کے نزدیک ایک انسان کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے مترادف تھا۔

۱۳- اس ریاست میں عمال کے بارے میں صالح کی شرط لازم تھی۔ غیر صالح کردار کے لئے اس ریاست میں روٹی کپڑے اور مکان کا انتظام تو ضرور موجود تھا، لیکن اس کے لئے اعلیٰ مدارج اور اونچے

مناصب کے حصول کا کوئی سوال نہ تھا۔ "إِنْ أَكْرَمَكُمُ وَعِنْدَ اللَّهِ اتَّقَلُّمُ" کے اصول کے اصول کے تحت نیک اور صالح افراد ہی اس ریاست کے کھل پرزے بن سکتے تھے۔ اس میں مال و نسب کی اہمیت نہیں شرافت اور اخلاق کی اہمیت تھی۔

یہ وہ عظیم الشان ریاست تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳ سال کی مدت میں قائم کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ جو اپنی نوعیت میں منفرد اور ممتاز تھی اور جس کی مثال نہ اس سے پہلے دنیا میں کوئی ریاست قائم ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد ایسی ریاست قائم ہو سکی، جب کہ ایسی ریاست کا قیام امت مسلمہ کا فرض ہے اور اس کے قیام کے بغیر مسلمان اپنے مالک کے سارے احکام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے اور اس کے بغیر ان کی مسلمانی ادھوری رہ جاتی ہے۔

یہ کارنامہ سرانجام دینے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں مختلف حکمتوں سے کام لیا۔ اس میں حکمت تبلیغ و دعوت بھی شامل ہے۔ حکمت تنظیم و اجتماع ہے۔ حکمت اخلاق و کردار ہے، حکمت ہجرت اور ترک وطن ہے، حکمت ازدواج ہے، حکمت جنگ اور جہاد ہے اور حکمت تدبیر و سیاست ہے۔ ان ساری حکمتوں نے اپنی اپنی پوری کامیابی اور عمدگی سے کام کیا ہے تب جا کر وہ عظیم الشان ریاست وجود میں آئی جو درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں زمین پر آسانی بادشاہت تھی۔ □

سوال و جواب

پراکتقاء کی تو اس کی بھی گنجائش ہے، لیکن دونوں کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ (شامی-۱/۲۹۰)

ص: اذان و اقامت کا کوئی کلمہ چھوٹ جائے یا کسی کلمہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو اذان ہو جائے گی یا اعادہ کرنا ہوگا؟

ج: اذان و اقامت میں اگر کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اذان و اقامت درست نہ ہوگی بلکہ اس کا اعادہ ضروری ہوگا، لیکن چھوٹنے یا غلطی کرنے کا علم اگر اذان و اقامت کے فوراً بعد ہوا ہو تو جو کلمہ چھوٹ گیا ہے یا جس میں غلطی ہوئی ہے اس کا اور اس کے بعد کے کلمات کا اعادہ کرے اور اگر کچھ دیر بعد علم ہوا تو شروع سے اعادہ کرے۔ (شامی-۱/۲۸۶، کتاب النوازل-۳/۳۲۳)

ص: ایک صاحب کی آواز اچھی ہے، مسجد میں وہی اذان دیتے ہیں، لیکن ایک دفعہ کسی عذر کی وجہ سے کان میں انگلیاں ڈالے بغیر اذان دے دی، کیا یہ اذان معتبر ہوگی؟

ج: اذان دیتے وقت کان میں انگلی ڈالنا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے، لہذا بغیر انگلی ڈالے ہوئے دی ہوئی اذان بھی معتبر ہے۔

(بذائع-۱/۳۷۳)

ص: فجر کی اذان میں "الصلاة خیر من النوم" کا جملہ بھولے سے چھوٹ گیا تو کیا اذان کا اعادہ کیا جائے گا؟

ج: اگر اذان ختم ہونے سے پہلے یا ختم ہونے کے فوراً بعد یاد آ جائے تو بہتر یہ ہے کہ یہ جملہ کہہ کر بعد کے کلمات کا اعادہ کیا جائے اور اگر دیر سے علم ہوا تو اعادہ نہ کرے۔

(شامی-۱/۲۸۵، احسن الفتاویٰ-۲/۲۸۶)

ص: اور شوہر اس سے تعلق بھی قائم کر سکتا ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اس طرح کی دوا کا استعمال صحت کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کا استعمال تبھی کرنا چاہئے جب کسی وجہ سے ماہر ڈاکٹر اس کو تجویز کرے۔ (شامی-۱/۲۰۸)

ص: اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت کا کیا حکم ہے؟

ج: اگر محلہ کی مسجد میں اذان ہو چکی ہے اور کوئی شخص اپنے گھر میں تنہا یا جماعت سے دھتیر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے محلہ کی اذان و اقامت کافی ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے لیکن اگر قضاء نماز پڑھی جا رہی ہے تو اذان و اقامت دونوں کا ترک کرنا مکروہ ہے، کم از کم اقامت کہہ کر قضاء نماز ادا کرنی چاہئے۔

(شامی-۱/۲۸۷، فتاویٰ تاتار خانیہ-۲/۱۵۰، کتاب النوازل-۳/۳۰۰)

ص: حالت سفر تنہا یا جماعت سے نماز پڑھنا ہو تو اذان و اقامت کہنا چاہئے یا نہیں؟

ج: سفر کے دوران نماز خواہ تنہا پڑھنی ہو یا جماعت سے پڑھنی ہو دونوں صورتوں میں اذان و اقامت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (جب مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ یا ٹرین وغیرہ میں نماز پڑھی جا رہی ہو) البتہ اگر اذان چھوڑ کر اقامت

ص: بعض خواتین حیض ختم ہونے کے بعد صبح سے شام اور شام سے صبح تک انتظار کرنے کے بعد غسل کرتی ہیں اور اس کے بعد سے نماز پڑھنا شروع کرتی ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

ج: جب خون عادت کے موافق بند ہو جائے تو نماز کے وقت کے اندر اندر غسل کر کے نماز شروع کر دینی چاہئے، خواہ خواہ انتظار نہ کرے ورنہ گنہگار ہوگی اور پاکی کے وقت میں گزری نمازوں کی قضاء بھی لازم ہوگی۔ (ہندیہ-۱/۳۹)

ص: اگر کسی عورت نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی جب کہ ظہر کا وقت آئے کافی وقت گزر چکا تھا، پھر اس نے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کے ایام شروع ہو گئے، اب عورت اس نماز کی قضاء بعد میں کرے گی یا نہیں؟

ج: یہ نماز اس سے ساقط ہوگئی ہے، بعد میں اس پر اس کی قضاء نہیں ہے۔ (ہندیہ-۱/۳۸)

ص: اگر عورت کوئی مانع حیض دوا کھائے جس کی وجہ سے اس کا خون بالکل نہ ظاہر ہو تو نماز روزہ وغیرہ اس عورت کے لئے جائز ہوں گے یا نہیں؟

ج: اگر دوا کے ذریعہ حیض کا خون روک دیا جائے تو جب تک خون باہر نہ نکل آئے اس وقت تک حیض کے احکام جاری نہ ہوں گے وہ عورت نماز روزہ اور تلاوت وغیرہ کر سکتی

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلام دشمنی ہی میرے قبول اسلام

کا سبب بنا: عیسائی لڑکی

کی تبلیغ کے لئے وقف کر دوں گی۔ میرے اسلام قبول کرنے کی داستان بہت طویل اور دلچسپ ہے۔ جب کبھی میں گزرے ہوئے ماہ و سال پر نظر ڈالتی ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ میں کیا تھی اور کیا ہو گئی ہوں۔ قلب و نظر کی دنیا یکدم نہیں بدلتی، بلکہ تہیلا آہستہ آہستہ آتی ہے۔ یہی حال میرے ساتھ بھی ہوا، میرا عقیدہ یکدم تبدیل نہیں ہوا، بلکہ ۱۰ سال کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے۔ اس

کے علاوہ دنیا میں جتنے مذاہب اس وقت موجود ہیں، وہ بوسیدہ ہو کر ناقابل عمل ہو چکے ہیں۔ اصل دین اسلام ہی ہے، دیگر مذاہب کا جہاں تک معاملہ ہے یہ ماضی میں دنیا کی رہبری کرتے رہے ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان مذاہب میں ناقابل عمل بن گئے۔ یہودیت اور عیسائیت آج صرف نام لینے کے لئے موجود ہیں، لیکن ان مذاہب کی نہ تو اصل کتابیں آج موجود ہیں اور نہ ہی یہودیوں و عیسائیوں کو آج تک یہ معلوم ہے کہ ان کی شریعتیں کہاں ہیں، جب کہ اسلام ایک زندہ اور متحرک مذہب ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم ایسی نہیں ہے، جس کے پاس قرآن مجید جیسی کوئی کتاب موجود ہو۔

یہ قرآن مجید ہی ہے، جس نے مجھے مسلمان بنا دیا۔ واقعات اس طرح ہیں کہ جب ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آگے تعلیم جاری رکھنے کے لئے میں نے کالج میں داخلہ لیا تو وہاں کچھ مسلمان لڑکے، لڑکیاں

وجود نہیں ہیں، بلکہ ہم دونوں ایک ہی ہیں۔ عیسائی علیہ السلام چونکہ مرد کا تصور موجود ہے، اس لئے قدرتی طور پر میں مریم سے زیادہ نزدیک ہوتی گئی۔ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ گفتگو میں مریم کا ذکر میں زیادہ کرتی تھی۔ میرا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ عیسائی علیہ السلام کی پرستش اگر میں نے نہیں کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مریم خدا سے میری سفارش کرادیں گی اور خدا مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ ۱۶ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے میں ایک پختہ عقیدہ کی عیسائی دو شیزہ بن گئی تھی۔

میں نے طے کر لیا تھا کہ تمام عمر میں شادی نہیں کروں گی اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد خود کو کسی چرچ کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی اور مریم کو اپنی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب رکھوں گی۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ میری زندگی میں ایک دن ایسا انقلاب آئے گا کہ میں اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام مذہب قبول کر لوں گی اور خود کو مذہب اسلام

میں چونکہ لڑکی تھی، اس لئے مریم کی پرستار تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ مریم اور عیسائی علیہ السلام کو بھی اپنا معبود مانتے ہیں۔ میرے والدین یکتھو لک عیسائی تھے، اس لئے انہوں نے گھر میں مریم اور عیسائی علیہ السلام کی تصاویر لگا رکھی تھی۔ میری والدہ ایک نن تھیں اور وہ گھر میں آدیواں مریم اور عیسائی علیہ السلام کی تصویروں کے سامنے مجھے صبح و شام لے جا کر کھڑا کر دیا کرتی تھیں۔ مجھے تعلیم دی گئی تھی کہ میں ہر وقت مریم اور عیسائی علیہ السلام کو یاد کرتی رہوں، لیکن نہ جانے کیوں مجھے مریم کی تصویر بہت اچھی لگتی تھی اور مریم کا وجود میرے اندر سرایت کر گیا تھا۔ مریم سے محبت کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میرے والدین نے میرا نام بھی مریم رکھ دیا تھا۔ مریم سے محبت کرتے کرتے میری حالت یہ ہو گئی تھی کہ میں مریم کو اپنے وجود ہی کا ایک حصہ سمجھنے لگی تھی۔ بسا اوقات مجھے یہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ مریم اور میں کوئی دو علاحدہ علاحدہ

بھی پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ اکثر میں دیکھتی تھی کہ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ بے حد اخلاق اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ دوسروں کے مقابلہ میں مسلم طلباء اور طالبات اپنی انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔ میں نے جب بھی کسی مسلم لڑکے یا لڑکی سے گفتگو کی تو اسے بے حد بااخلاق پایا۔ اگر کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی سے جب کوئی مدد طلب کی تو اس نے میری بھرپور مدد کی۔ مسلمانوں کی روش کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوتا تھا۔ اس تعجب کی وجہ یہ تھی کہ بچپن میں مجھے بتایا گیا تھا کہ مسلمان بے حد خود غرض ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے ساتھ ان کی پرانی عداوت ہے، اس وجہ سے مجھے مسلمانوں سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ جب کسی مسلم لڑکے یا لڑکی سے میرا آنا سامنا ہوتا تھا تو میں اس سے بچ کر نکل جاتی تھی، لیکن کالج میں آنے کے بعد میں نے مسلمانوں کو بے حد منکسر المزاج پایا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہیں۔ رفتہ رفتہ میرے اندر یہ جذبہ بیدار ہونے لگا کہ میں اسلام کے بارے میں زیادہ واقفیت حاصل کروں۔ اس دوران گھلیل نام کے ایک لڑکے میں میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ گھلیل کو بھی مجھ سے دلچسپی ہے۔ کلاس سے فارغ ہو کر میں اور گھلیل ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے لگے، لیکن مجھے حیرت تھی کہ گھلیل علمی گفتگو کے علاوہ کسی اور طرح کی گفتگو نہیں کرتا تھا، جب

عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں کی دوستی بہت جلد دوسرا رنگ اختیار کر لیتی تھی۔ میں سوچنے لگی تھی کہ اسلام میں یقیناً ایسی خوبی ہے کہ جو اپنے پیروکاروں کو اخلاقیات سکھاتا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی ذہن سازی اخلاقی بنیاد پر ہوتی ہے۔

میں اکثر گھلیل سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگی۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب گھلیل نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں، بلکہ وہ اس کے رسول ہیں۔ انہیں عیسائیوں کی طرف خدا نے اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا، لیکن عیسائیوں نے انہیں پیغمبر نہ مان کر خدا کا بیٹا ماننا شروع کر دیا۔ وہ خدا کی کتاب انجیل لے کر اپنی قوم کے پاس آئے تھے، لیکن ان کی قوم نے انجیل کو بگاڑ دیا۔ فی زمانہ عیسائیوں نے خدا کی کتاب میں اپنی طرف سے تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کر دیں اور یہ تبدیلیاں اس طرح کی گئیں کہ آج یہ معلوم کرنا ممکن نہیں رہا ہے کہ اصل انجیل کہاں ہے۔ وہ انجیل جس کو لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف آئے تھے، آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ پوری عیسائی دنیا میں نہ جانے بائبل کے کتنے نسخے موجود ہیں اور ہر نسخہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ کینیڈا کے عیسائی جس بائبل کو مانتے ہیں، وہ اس بائبل سے مختلف ہیں، جو برطانیہ کے عیسائیوں کے پاس ہے۔ عیسائی پادریوں نے اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر اس میں

ایسی ترامیم کر دی ہیں، جس کی وجہ سے بائبل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ گھلیل کے دلائل کے سامنے میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا، لیکن گھلیل نے جب مجھے یہ بتایا کہ قرآن مجید کا صرف ایک نسخہ پوری دنیا میں موجود ہے، یعنی پوری دنیا میں قرآن مجید کے جس قدر بھی نسخے موجود ہیں ان میں ذرا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ دنیا۔ مسلمانوں کی زبانیں مختلف ہیں۔ ایک سرو۔ کے مطابق دنیا کے مسلمان ۱۲۰ زبانیں بولتے ہیں، لیکن قرآن مجید کو عربی زبان میں پڑھتے ہیں اور اس کا التزام کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے میں کوئی خفیف سی لغزش ہونے پائے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت سے آج تک قرآن مجید کو ایک طریقہ سے پڑھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طویل مدت گزرنے کے بعد بھی قرآن مجید میں کوئی تحریف نہیں ہو سکی ہے، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، لیکن قرآن مجید رہتی د تک اس طرح صحت کے ساتھ پڑھا جاتا رہے گا جیسا کہ وہ آج پڑھا جا رہا ہے یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پڑھا جاتا رہا تھا۔ میں گھلیل کی شرافت سے بے حد متاثر ہو چکی تھی۔ دوسری مسلم لڑکیوں میں بھی شرافت اور حیا مجھے نظر آتی تھی، وہ عیسائی لڑکیوں میں بالکل مفقود تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ مسلمان اپنے کردار و عمل۔ عیسائیوں سے زیادہ بہتر ہیں۔ ایک دن گھلیل نے مجھے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ گھلیل

کے گھر کا ماحول حد درجہ پاکیزہ تھا۔ فوری طور پر میرا ذہن عیسائی گھروں کے ماحول کی طرف گیا، جہاں ہر وقت بے حیائی رہتی ہے۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا ہی اچھا ہو، مجھے کوئی مسلم گھرانہ میسر آجائے اور میں مسلم گھرانے میں رہ کر روحانی سکون حاصل کر سکوں۔

کھلیل کی والدہ نے بڑی ہی خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا۔ گھر کے دوسرے افراد بھی انتہائی اخلاق سے پیش آئے۔ کھلیل کے گھر میں بہت سی دینی کتابیں الماریوں میں موجود تھیں۔ کھلیل کی والدہ کی اجازت سے میں نے کچھ دینی کتابیں پڑھنے کے لئے مستعار لے لیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے میری دنیا بدل دی۔ مجھے لگا کہ میں نے ایک نئی دنیا دریافت کر لی ہے۔ میرے وجود کا اندھیرا دور ہونے لگا اور اسلامی طرز فکر نے مجھے آہستہ آہستہ زندگی کے شعور سے قریب کر دیا۔ اپنے ساتھ پڑھنے والی دوسری مسلم لڑکیوں سے بھی میری دوستی زیادہ ہوتی گئی۔ میں مسلمان لڑکیوں کو سلام کرنے لگی۔ جب یہ مسلمان لڑکیاں میرے سلام کا جواب دیتیں تو مجھے عجیب طرح کی روحانی مسرت ہونے لگی۔ ایک دن میری مسلم دوست روجی نے مجھے بتایا کہ کھلیل کی آرزو یہ ہے کہ میں اسلام قبول کر لوں اور مسلم معاشرہ میں شامل ہو جاؤں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دراصل میں تو خود یہ چاہتی تھی کہ اگر کھلیل میری زندگی میں داخل ہو جائے تو میں

بلا تاخیر اسلام قبول کر لوں۔ میں نے بھی روجی سے اپنی دلی کیفیت بیان کر دی۔ کھلیل کے والدین اور اس کے گھر والوں نے بھی مجھے پسند کر لیا تھا۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ اگر میں مشرف بہ اسلام ہو جاؤں تو وہ مجھے بخوشی اپنائیں گے۔ بہر حال یہ تو دنیاوی اسباب تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ میں قرآن مجید سے بے حد متاثر ہو چکی تھی۔ میرے اسلام قبول کرنے سے پہلے میرے دل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

نیویارک ایک عجوبہ روزگار شہر ہے۔ یہاں کئی اسلامی سنٹر ہیں، جہاں دنیا بھر سے مسلمان آتے رہتے ہیں، جو مسلمان سیاحت کے لئے امریکہ جاتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان اسلامی مراکز میں بھی جائیں اور مسلمانوں سے ملاقاتیں کریں، طے یہ کیا گیا کہ میں قبول اسلام کے لئے پر جہنگ سنٹر آف اسلام میں جاؤں اور مشرف بہ اسلام ہو جاؤں۔ چنانچہ مسلم دوستوں کے ساتھ میں اسی اسلامی سنٹر میں گئی اور وہاں جا کر میں نے سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کلمہ شہادت اپنی زبان سے ادا کیا۔ مجھے کلمہ کے معنی سمجھائے گئے۔ نہ جانے وہ کونسی گھڑی تھی کہ کلمہ کے معانی میرے وجود میں اس طرح جاں گزریں ہو گئے کہ میرے باطن کا سارا اندھیرا دور ہو گیا اور میرے ضمیر میں ایک ایسا چراغ روشن ہو گیا، جس نے مجھے ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ کھلیل سے شادی کے بعد اللہ نے مجھے ۲ بیٹے عطا

کر دیئے۔ کھلیل کے خاندان کے ساتھ میں آج ایک کامیاب دینی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ میرے والدین اور خاندان والوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے، لیکن مجھے اس کا کوئی ملال نہیں ہے۔ میں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوں کہ اس نے مجھے ظلمات سے نکال کر روشنی کی دنیا عطا کر دی ہے۔ اسلام کی جو دولت مجھے ملی ہے، اللہ کرے دوسروں کو بھی حاصل ہو جائے۔ آمین

□□□

بقیہ..... مسلم لڑکیوں میں ازداد کا فتنہ

ان کی شخصیت پر اعتماد بنے اور وہ بچے سماج میں ان کے رنگ میں رنگنے کے بجائے اپنا ایک منفرد مذہبی تشخص برقرار رکھ سکیں اور معاشرہ میں گروم کر سکیں۔ بچپوں کے متعلق یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بہترین تعلیم و تربیت پر یونہی جنت کی بشارت نہیں رکھی گئی۔ یہ نفل نامم جا ب ہے بیٹیاں ایک ہوں یادیں، انہیں محبت دیجئے، اعتماد دیجئے، بے جا سختی اور تشدد کے ذریعے انہیں ازداد کی طرف مت ڈھکیئے۔ بچپوں کی فطرت ہے توجہ، محبت، التفات حاصل کرنا۔ اگر یہ محرم رشتوں سے نہ ملے تو پھر جہاں بھی اسے عافیت اور محبت کا احساس ملے گا وہ اس بڑھے ہوئے ہاتھ کو تقام لے گی اور پھر ہم اسی طرح کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ کوئی تحریر جلائے تو دھواں اٹتا ہے دل وہ بیگکا ہوا کاغذ ہے جو جلتا ہی نہیں

□□□

رزق کی فراخی اور عمر کی درازی کیلئے قیمتی نسخہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں برکت، فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار تا دیر رہیں یعنی اس کی عمر دراز ہو تو وہ اہل قربت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے رب سے ڈرے گا اور صلہ رحمی کرے گا اس کی عمر دراز کر دی جائے گی اس کے مال میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اس سے اس کے اہل اور خاندان خوش رہیں گے۔ (الادب المفرد)

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اس حقیقت کو جا بجا بیان کیا گیا ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں خوب برکتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے۔ مثلاً تقویٰ و پرہیزگاری حصول رزق اور برکت کا سب سے بڑا اور

بہترین ذریعہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لِمَخْرَجِهِ وَيُذِيقْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اس کا پاس و لحاظ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر کی راہیں کھول دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی فراہم کرتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ مذکورہ بالا حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی اہل قربت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک یہ وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں برکت و وسعت اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ علماء کرام نے صلہ رحمی کی دو شکلیں لکھی ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قربت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے۔ اس کے صلہ میں رزق و مال میں

وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہے۔ اسبابی نقطہ نظر سے بھی یہ بات سچ میں آنے والی ہے۔

یہ واقعہ اور عام تجربہ و مشاہدہ ہے کہ خاندانی جھگڑے، کشمکش اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قربت نہ ادا کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور ٹھٹھن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور رشتے داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا معاملہ کرتے ہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بہتر طریقے سے پیش آتے ہیں ان کی زندگی اطمینان و سکون امن و چین اور انشراح و طمانیت اور خوش دلی و آسودگی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر اعتبار سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔ اگر ہم رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ اور درازی کے متمنی اور خواہاں ہیں تو ہمیں اس نبوی نسخہ کو ضرور آزمانا چاہئے اور صلہ رحمی کر کے اور رشتوں کا پاس و لحاظ کر کے شاداں و فرحاں زندگی ہمیں ضرور گزارنی چاہیے۔

○○○